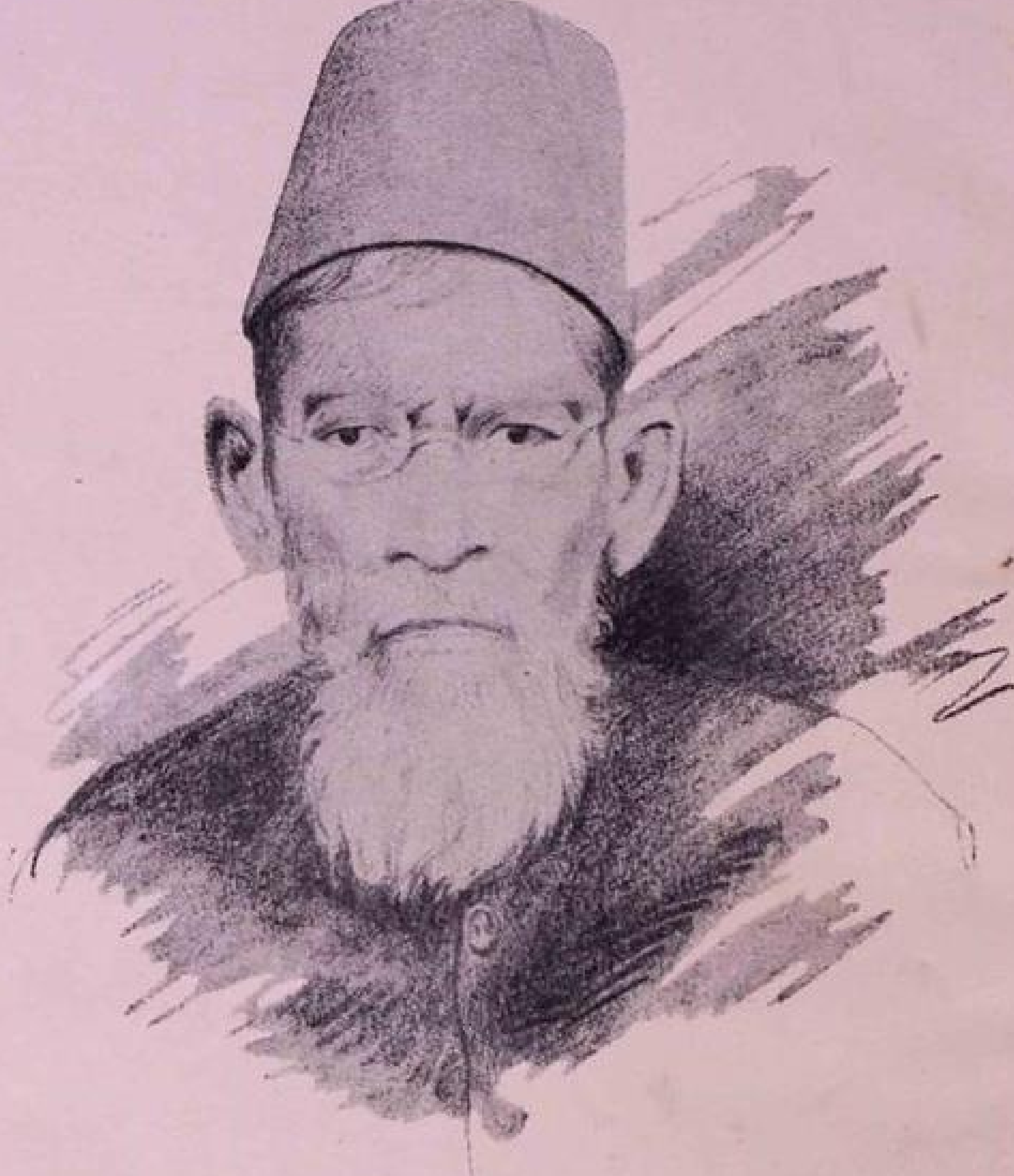
گاندھی نامہ

اکبر الہ آبادی

کتابستان الہ آباد



اکبر الہ آبادی

گاندھی نامہ

از

اکبر الٰہ آبادی

رحمۃ اللہ

با تمہید از

محمد نعیم الرحمٰن، ایم اے

الٰہ آباد یونی ورسٹی

کتابستان : الٰہ آباد

پہلی بار: سنہ ۱۹۴۸ء

(پرنٹر، حکیم رمضان علی)

اسرار کریمی پریس الہ آباد

مضامین

گاندھی نامہ

دیباچہ

ان اوراق میں "گاندھی نامہ" کے نام سے جو مجموعۂ اشعار پیش کیا جارہا ہے، یہ میرے دادا جناب اکبر الہ آبادی (رحمۃ اللہ علیہ) کا کلام ہے، جو اب تک کہیں اور کبھی طبع اور شائع نہیں ہوا۔ اس کا یہ نام بھی خود اُن جناب کا تجویز کیا ہوا ہے۔

میرے والد جناب سید عشرت حسین صاحب مرحوم و مغفور، کا ارادہ تھا کہ وہ ان منظومات عالیہ کو شائع فرماتے؛ مگر صحت کی مسلسل نزاکت اور دیگر افکار نے ان کو اتنی مہلت اور فراغت نہیں دی کہ وہ اپنی حیات میں اس ادبی تحفے کو قدردانوں کے ہاتھوں تک پہنچا سکتے۔ میں کسی طرح اندازہ نہیں کرسکتا کہ جناب والد مغفور اس رسالے کو کس شکل و شان سے شائع فرمانے کا قصد رکھتے تھے۔

لیکن جہاں یہ امر میرے لیے تسکین کا باعث ہے کہ میں اس بارِ امانت سے سبک دوش ہو رہا ہوں، مجھے یہ اطمینان اور مسرت بھی ہے کہ یہ عزیز و نفیس صحیفہ میرے والد مرحوم کے دوست اور میرے محترم، پروفیسر نعیم الرحمٰن صاحب کے قابل قدر مطالعے، تحشی اور تمہید کے بعد شائع ہو رہا ہے۔ اس لطف کے لیے ہم سب اُن کے ممنون ہیں۔

حضرت لسان العصر کے یہ افکار و خیالات جس خوبی اور کمال کے ساتھ ہمارے آج کے اہلِ عصر کے افکار و خیالات کی آئینہ داری کرتے ہیں، اس کی داد طلب کی محتاج نہیں ہے۔

سید محمد مُسلم رضوی

عشرت منزل، الہ آباد

۲۰ جولائی سنہ ۱۹۴۶ء

تمہید

حضرت اکبر الہ آبادی کا کلام کلیات کی تین جلدوں کی صورت میں شائع ہو کر اہل علم و ذوق سے تحسین کا خراج اور سخنوری اور خیال آفرینی کی داد لے چکا ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اتنے ہی پر ورق تمام ہو کر قلم بھی ٹوٹ چکا ہے۔ شاعر مغفور کے متعدد شعری الہامات اب بھی لبستوں میں تبرکات کی صورت میں موجود اور طبع و اشاعت کے منتظر ہیں۔ انھیں میں سے یہ ایک "گاندھی نامہ" ہے جو اب پہلی مرتبہ شائع ہو رہا ہے۔

یہ مجموعہ ایک مخطوطے سے نقل کیا گیا ہے جو ۸½ × ۷ انچ کی تقطیع کے ۲۹ صفحوں میں خود حضرت اکبر کے قلم کا مرتب کیا اور لکھا ہوا ہے۔ یہ نام بھی خود جناب مصنف ہی کا تجویز کیا ہوا ہے، جیسا کہ لوح کے شعر سے ثابت ہے۔ اس کے علاوہ اس شعر کے بعد عنوان کے طور پر بھی یہ نام جلی قلم سے لکھا ہے۔ کُل مجموعے میں ۱۹۸ قطعے ہیں، جو سات عنوانوں کے تحت ۲۷۲ اشعار پر مشتمل ہیں۔ لیکن چوں کہ لوح کا شعر پھر ایک مرتبہ (شمار ۱۸۱) میں لکھا گیا ہے، اس لیے صحیح مجموعی تعداد ۲۷۱ ہوتی ہے۔

ہمارے ان تمہیدی اوراق کے بعد ایک اور مجموعہ ہے جس کا نام بھی گاندھی نامہ ہے۔ یہ جس نسخے کی صحیح نقل ہے وہ ۶½ × ۴ انچ کی تقطیع کے گیارہ

صفحوں پر خود جناب مصنف کے قلم کا تحریر کیا ہوا ہی، اور اس کی لوح پر بھی گاندھی نامہ عنوان کے طور پر ثبت ہی۔ اس نسخے میں کُل ۶۲ شعر ہیں۔ اس میں عنوان بالکل نہیں ہیں، مگر ہر ایک یا زائد شعر کو ایک دو جملے کی مختصر اور جامع تمہید کے ساتھ پیش کیا گیا ہی۔ ان ۶۲ شعروں میں سے صرف ذیل کے آٹھ ایسے ہیں جو بڑے نسخے میں نہیں ہیں، باقی سب اس میں موجود[۱] ہیں:

۱۔ یہ دال[۲] لب گنگ کبھی گل نہیں سکتی؛ کلّو کے پٹاخے سے بلاٹل نہیں سکتی۔

۲۔ تہمد[۳] اور دھوتی بہت تنگ آئے تھے پتلون سے؛ لیکن اب پتلون ڈھیلی ہی اسی مضمون سے۔

۳۔ انگریز[۴] قوی بھی ہیں، سرافراز بھی ہیں؛ تدبیر میں، علم و فن میں، ممتاز بھی ہیں۔

۴۔ بابو کو نچا دیا جو چابی دے کر، اس سے یہ کھلا کہ دل لگی باز بھی ہیں!

---

[۱] اس چھوٹے نسخے میں اشعار کے بعد قوسین میں جو عدد دیا گیا ہی وہ بڑے نسخے کے قطعۂ اشعار کا عدد ہی۔

[۲] جناب قمرالدین احمد بدایونی نے اپنی فاضلانہ تالیف بزم اکبر (انجمن ترقیٔ اردو، سنہ ۱۹۴۴ء) ص ۱۳۰ میں پہلا مصرع یوں لکھا ہی: "یہ دال لب گنگ تو اب گل نہیں سکتی"۔

[۳] بزمِ اکبر (ص ۵۱) میں یہ شعر یوں درج ہی: "دھوتی و لنگی بہت تنگ آئی تھی پتلون سے۔ اب وہاں پتلون ڈھیلی ہی اسی مضمون سے۔" [۴] مکرمی مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے یوم اکبر (ٹھیک ۹ ستمبر سنہ ۱۹۴۶ء) کی تقریب پر لکھنؤ کی نشرگاہ سے اپنی تقریر میں اس مصرعے کو "انگریز ہر ایک فن میں ممتاز بھی ہیں" فرمایا تھا (اخبار صدق مورخہ ۲۰ ستمبر)۔ چوں کہ میں اس رباعی کو غیر مطبوع سمجھتا تھا، اس لیے موصوف سے دریافت کیا کہ انھوں نے یہ رباعی کہاں پڑھی ہی؟ جواباً ۱۱ نومبر سنہ ۱۹۴۶ء)

۵۔ دھوتی کے پیچ میں ہیں، تہمد میں تن رہے ہیں۔ صاحب بنا رہے ہیں، ہم لوگ بن رہے ہیں۔

۶۔ آسمانی توپ چلتی ہی کہیں صدیوں کے بعد، لیکن اڑجاتی ہیں ساری غفلتیں دو فیر میں[1]

۷۔ جو گرہ میں تھا حریفوں نے اڑایا اس کو مفت اب فقط اخبار ہیں، اور من چہ گفتم او چہ گفت۔

۸۔ وہ اٹھنے دیتے ہیں خود فتنہ ہائے بے حقیقت کو، کہ حاصل کریں اس کے فرو کرنے کی لذت کو[1]

یہ چھوٹا نسخہ جس انداز سے شروع ہوتا ہی اس سے معلوم ہوتا ہی کہ جناب مصنف کسی خاص رسالے یا اخبار کے ایڈیٹر سے مخاطب ہیں۔ افسوس ہی کہ اس مخطوطے میں کہیں کوئی تحریر ایسی نہیں ہی جس سے یہ معلوم ہو سکتا کہ یہ خطاب کن "ایڈیٹر صاحب" سے ہی؛ اور نہ کہیں کوئی تاریخ درج ہی جس سے زمانۂ تحریر کا سراغ ملتا۔ یہی حال بڑے نسخے کا ہی کہ نہ اس کے شروع میں کوئی تمہید یا دیباچہ ہی، نہ کہیں سے تاریخ تحریر کا پتہ چلتا ہی۔ جائے حسرت یہ ہی کہ اب حضرت مصنف کے فرزند جناب عشرت حسین بھی اس عالم آب و گل میں نہیں ہیں کہ انھیں سے کچھ، قطعی نہیں تو تخمینی ہی، معلومات حاصل ہو سکتی۔ ایسی حالت میں اس تصنیف شریف کے زمانۂ تحریر کا صحیح تعین دشوار ہی۔ تاہم اس کی تصنیف کو اگر سنہ ۱۹۱۹ء

کے مجدنامے میں فرمایا کہ "میں نے اسے عشرت صاحب مرحوم کی زبانی سنا تھا، اور خود بھی اس کے الفاظ کچھ بھول رہا تھا"۔ یوں اطمینان ہوا کہ میرا یہ خیال صحیح تھا کہ یہ رباعی اب تک غیر مطبوع ہی۔

[1] بزم اکبر (ص ۱۷۰) میں پہلے مصرعے میں کہیں کی جگہ کبھی، اور دوسرے مصرعے میں دو کی جگہ اک (= ایک) لکھا ہی۔

سے سنہ ۱۹۲۱ء یعنی لسان العصر کی مستقل زبان بندی کے وقت تک کے زمانے سے منسوب کیا جائے تو صحت سے بہت قریب و قرین ہوگا۔

سنہ ۱۹۱۹ء میں وہ نامسعود آئین جاری ہوا تھا جو "رولٹ ایکٹ" کے نام سے مشہور تھا، اور جس کے خلاف احتجاج کی ہنگامہ آرائی کے نتیجے میں پنجاب کے شہر امرتسر میں جلیانوالا باغ کا مشہور عالم قتل عام، اور اس کے بعد پنجاب کے متعدد اضلاع میں "فوجی قانون" کا نفاذ ہوا۔ ان سب واقعات نے آزادی کی تحریک کو اور بھی زیادہ قوی کر دیا۔ اب تک جو خیالات دماغوں اور سینوں میں دبے پڑے تھے اور کسی کو اُن کے اظہار کی ہمت نہ ہوتی تھی، اب زبان اور نوک قلم پر آنے لگے۔ سنہ ۱۹۲۰ء کے شروع ہوتے ہوتے ہندیوں نے برطانوی حکومت اور اقتدار کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔ موہن چند کرم چند گاندھی، جو جنوبی افریقہ میں ہندیوں کی قیادت کر کے ان کی آزادی کی جدوجہد میں بہت کچھ کامیاب ہو کر ہندوستان واپس آ چکے تھے، اب خاموش نہ رہ سکے۔ انھوں نے نہایت شد و مد اور کامل بے باکی کے ساتھ تمام ملک کو آزادی کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے بلکہ جان تک لڑا دینے کی دعوت دی، اور اس کے حصول کے لیے عدم تعاون اور ترک موالات کے حربوں سے کام لینا شروع کیا۔

ہندستان کے تمام طول و عرض میں ایک شدید ہنگامہ برپا ہو گیا، ایسا کہ اس کا سلسلہ کسی نہ کسی صورت میں اب تک چلا جا رہا ہے۔ سنہ ۱۹۲۰ء اور سنہ ۱۹۲۱ء میں ترک موالات پر عمل کرنے کے نتیجے میں کئی واقعات پیش آئے اور ملک کے

کئی سر برآوردہ اور نامور بزرگوں کو بندی خانے کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا یہی سب ہنگامے برپا تھے کہ سنہ ۱۹۲۱ء (۹ ستمبر) میں حضرت لسان العصر نے وفات پائی۔ لامحالہ یہی دو ڈھائی برس کا زمانہ وہ ہے جس کے دوران میں گاندھی نامے کا القاء ہوا۔

اس سلسلے میں مولوی قمر الدین احمد صاحب بدایونی کی قابل قدر تالیف بزم اکبر سے بھی مدد ملتی ہے۔ مولوی صاحب موصوف "سنہ ۱۹۱۶ء میں الٰہ آباد کے ایم سی کالج میں داخلے کے واسطے آئے تھے" اور تب ہی "ایک صحبت میں خان بہادر میر اکبر حسین صاحب جج الٰہ آبادی کے درشن ہوئے۔[۱] سنہ ۱۹۲۰ تا سنہ ۱۹۲۲ء حیاتِ اکبر کے واسطے مواد دیکھ جا کر[۲] کر رہے تھے۔ مگر سنہ ۱۹۱۹ء سے قبل انھیں" ان جواہرات کے جمع کرنے کی فکر نہ ہوئی تھی۔[۳] کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب سنہ ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۱ تک حضرت اکبر سے فیض یاب رہے۔ اس کتاب میں گاندھی نامے کے ان دونوں نسخوں کے کم و بیش دو درجن اشعار جا بجا منتشر نظر آتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اسی زمانے کے الہامات ہیں۔ اس سے ہمارے اس فیصلے کو تقویت ہوتی ہے کہ گاندھی نامے کی تکوین اور انشاء ۱۹۱۹ سے ۱۹۲۱ تک ہوئی ہے۔

---

[۱] بزم اکبر، ص ۴۷۔ [۲] ایضاً، ص ۲۱۔ [۳] ایضاً، ص ۵۲۔

گاندھی نامے کا یہ چھوٹا نسخہ نقش اول ہے، اور بڑا نسخہ نقش ثانی۔ یہ امر اس سے عیاں ہے کہ چھوٹے نسخے میں صرف ۶۲ شعر ہیں، اور یہی ترقی کر کے چھگنی تعداد (۳۷۲) تک پہنچ گئے ہیں۔ یہ مراسلہ نما شعری مقالہ کسی "اڈیٹر صاحب" کے پاس نہیں پہنچا، کسی اخبار یا رسالے میں شائع نہیں ہوا بلکہ مصنف کی میز کی دراز ہی میں رہا۔ اس کو اشاعت سے باز رکھنے کے دو ہی سبب ہو سکتے ہیں: احتیاط، یعنی سرکار دربار کا خوف؛ یا اضافہ کرنے کا ارادہ۔ پہلا سبب اگر کلی نہیں تو جزئی طور پر، ضرور صحیح ہے[1]؛ اور دوسرا خود ثابت ہے، عیاں راچہ بیان۔ نقش ثانی میں آٹھ اشعار کو شاید اس خیال سے بھی حذف کیا ہو کہ وہ اس مفصل مجموعے میں غیر مطبوع اشعار ہی رکھنا چاہتے تھے۔ لیکن جیسا کہ صاحب بزم اکبر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے چھوٹے مجموعے کا ایک غیر مطبوع شعر (دھوتی ولنگی بہت تنگ آئے تھے پتلون سے .... الخ) بھی مفصل میں سے خارج کر دیا گیا۔ اس شعر کے علاوہ باقی جو اشعار بزم میں منقول موجود ہیں، وہ یہ ہیں:

۱؎ ہم بزم اکبر کے ممنون ہیں کہ اس سے معلوم ہو گیا کہ حضرت لسان العصر کو اعتراف تھا کہ "گورنمنٹ سے مقابلے کی ان میں جان نہ تھی" گو وہ آلۂ سرکار بھی نہ تھے (ص ۱۳۷)؛ اور یہ کہ وہ دو وجوہ سے سامنے آتے گھبراتے تھے: اپنے فرزند کا مصیبت میں پڑ جانا، اور خود "پیرانہ سالی میں اتنی سکت نہ پانا کہ جیل کے مصائب اٹھا سکیں"۔ (ص ۱۶۳ - ۱۶۴)

۱۔ ہے قوم تو بے پر مگر اڑتا ہے زرِ قوم[1] (قطعہ ۳)

۲۔ زندگانی[2] ہو دراز اُن کی خوش اقبالی کی ۔ مولی صاحب کی نہ چلتی ہے نہ بنگالی کی (قطعہ ۱۴)

۳، ۴۔ اختلافوں کے مہیا ہیں جب امکان اتنے[3] ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کے سامان اتنے (قطعہ ۱۶)

۵۔ دشوار ہے مستحقِ آزار ہونا ۔ کچھ سہل[4] نہیں علی برادر ہونا (قطعہ ۲۲)

۶۔ ہیں[5] وفد اور اپیلیں، فریاد اور دلیلیں ۔ اور کبر مغربی کے ارماں نکل رہے ہیں (قطعہ ۴۵)

۷، ۸۔ جو پوچھا[6] کیوں کم اس منزلِ تاریک میں ہے بدھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ از خود رسیدن ہا (قطعہ ۴۷)

۹، ۱۰۔ بس[7] آپ ہی کیجیے اچھل کود ۔ ہم سے یہ امید اب ہے بے سود

تیزاب میں ہم تو گل چکے ہیں ۔ ان کے سانچے میں ڈھل چکے ہیں (قطعہ ۹۰)

۱۱، ۱۲۔ بھائی[8] مسلم رنگِ گردوں دیکھ کر جاگے تو ہیں ۔ خیر ہو قبلے کی لندن کی طرف بھاگے تو ہیں

کہتے ہیں بت: دیکھیں کیسا رہتا ہے ان کا سبھاؤ ۔ ہار کر سب سے میاں ہمرے گلے لاگے تو ہیں (قطعہ ۱۲۷)

---

[1] بزم میں صرف یہی ایک مصرعہ منقول ہے، ص ۱۲۹۔ [2] بزم میں ہے: زندگی ہوئے دراز ۔ ۔ ۔ ص ۱۱۱۔

[3] بزم میں ہے: ۔ ۔ ۔ جو ساماں اتنے؛ اور چوتھے مصرعے میں ہیں کی جگہ ہے۔ ص ۱۴۱۔ [4] بزم میں صرف یہی ایک شعر دیا ہے اور اس میں بھی دوسرے مصرعے میں "کچھ سہل نہیں" کی جگہ "آسان نہیں" ہے۔ ص ۶۵۔ [5] بزم (ص ۱۲۴) نے صرف یہی ایک شعر بیان کیا ہے۔ [6] بزم، ص ۱۵۰۔

[7] بزم (ص ۱۶۳) میں ہے: ہم سے تو امید اب ہے بے سود ۔ اب آپ ہی کیجیے اُچھل کود۔

[8] بزم (ص ۱۲۴) میں یہ دو مصرعے اس ترتیب سے اور جدا جدا مذکور ہیں:

خیر ہو قبلے کی لندن کی طرف بھاگے تو ہیں ۔ روٹھ کر ان سے میاں ہمرے گلے لاگے تو ہیں۔

۱۳، ۱۴۔ انڈیا[1] نے کمر تو باندھی ہے...... کوئی گاندھی ہے۔

لیکن اب بھی بہت سے ہیں اڑیل۔ صرف لپسٹک ہے اور گاندھی ہے۔ (قطعہ ۱۳۰)

۱۵، ۱۶۔ جب[2] بلایا ختنے کو لڑکا یہ کہہ کر چل دیا۔ کافر عشقم...... درکار نیست۔

جب جنیئو کو بلایا طفل ہندو بول اٹھا۔ ہر رگ من...... زنار نیست۔ (قطعہ ۱۳۳)

۱۷۔ مصرعہ: آن[3] بھی اس میں گائے بھی اس میں دہی بھی گھی بھی ہے۔ (قطعہ ۱۳۸)

۱۸۔ آپ[4] نے طاقت کی تو جولانیاں دیکھیں بہت۔ ضعف کے ہیجان کا بھی اب تماشا دیکھیے (قطعہ ۱۴۲)

۱۹۔ پر[5] ہو تو اوج دیکھو...... اپنی نکاس دیکھو۔ (قطعہ ۱۴۹)

۲۰۔ جان[6] ان کی کہیں ترک موالات نہ مارے۔ کہتے ہیں کہیں ترک موالات نہ مارے (قطعہ ۱۵۳)

۱۔ بزم (ص ۶۵) میں پہلے مصرعے میں انڈیا کی جگہ ایشیا ہے، اور دوسرا شعر یوں ہے:

مگر اب تک بہت سے ہیں اڑیل   وہی لپسٹک ہے، وہی گاندھی ہے۔

۲۔ بزم (ص ۱۶۵) میں بجائے چار کے صرف یہی دو شعر منقول ہیں، اور ان میں بھی پہلا اور تیسرا مصرعہ یوں دیا ہے: "جب کہا ختنہ کو تو طفل مسلماں نے کہا" اور "جب جنیئو کو کہا طفل برہمن بول اٹھا"۔

۳۔ بزم (ص ۱۵۱) میں صرف یہی مصرعہ دیا ہے، اور وہ بھی یوں: "گاندھی میں دھن بھی گائے بھی گھی بھی دہی بھی ہے"۔ یعنی بحر تک بدلی ہوئی ہے۔

۴۔ بزم، ص ۶۵۔ یہاں بدایونی صاحب نے یہ پتے کی بات بتائی کہ "ضعف کے ہیجان سے مقاومت مجہول (انگریزی میں پیسو رزسٹنس) مراد ہے۔ بزم میں صرف یہی شعر مذکور ہے، دوسرا نہیں ہے۔

۵۔ بزم (ص ۱۳۵) میں دوسرے مصرعے میں سمجھائیں کی جگہ بتائیں کہا گیا ہے۔

۶۔ بزم (ص ۱۴۴) میں دوسرے مصرعے میں بجائے کہتے ہیں کے ڈرتی ہوں ہے۔

۲۱۔ تیغ[1] زباں کی دیکھو ہر سو برہنگی ہے ...... دل لگی ہے۔ (قطعہ ۱۶۰)

۲۲۔ برائے[2] ما بہ سر تخت خویش جا کر دی .... خریدست آمد (قطعہ ۱۸۰)

۲۳۔ وہ بغداد[3] میں ہیں میں منبر میں گم ہوں۔ شتر کینہ وہ ہیں تو میں گاو دم ہوں (قطعہ ۱۹۴)

اس تمام تقابل کا ماحصل یہ ہے کہ یہ دو درجن اشعار بدایونی صاحب کے لطف و کرم سے اب شائع ہوے ہیں، مگر وہ خود ان کو غیر مطبوع بتاتے ہیں۔ پھر جیسا کہ تقابل سے ثابت ہوا ہے، مصنف علام نے تقریباً سب ہی میں ترمیم کرکے الفاظ اور معانی میں ترقی پیدا کردی ہے۔ اس لحاظ سے یہ غیر مطبوع ہی کے برابر ہو گئے۔

ہم نے بزم اکبر سے جہاں اس قدر فائدہ اٹھایا ہے، یہ چند مزید فوائد او بھی قابل ذکر ہیں کہ ان کے بیان سے ان اشعار اور افکار کو سمجھنے میں اور زیادہ مدد ملے گی:

۱۔ قطعہ ۱۲۴ کے چوتھے شعر کا پہلا مصرع ہے:

علوم اُن کے، زبان اُن کی، پرس اُن کے، لغات اُن کے

جناب بدایونی نے اس میں لفظ پرس (یعنی پریس، مطبع) کے متعلق فرمایا ہے کہ انھوں نے خود حضرت شاعر سے عرض کیا تھا کہ آپ نے .... انگریزی لفظ پریس کو قافیے کی خاطر

---

[1] بزم، ص ۳۰۷۔

[2] بزم (صص ۱۳۴-۱۳۵) میں پہلے مصرعے میں ما کی جگہ من ہے۔

[3] بزم (ص ۱۰۳) میں دوسرے مصرعے میں ہے: شتر غمزہ میں ہوں ... الخ۔

رکس کے وزن پر رِس کر دیا ہی" اس پر آن جناب نے "بہت بگڑ کر فرمایا: میں نے اہلِ لکھنؤ کو بھی ان کے ایک اعتراض پر یہی جواب دیا تھا، اور اب آپ کو بھی یہی جواب دیتا ہوں کہ: من گفتم و محاورہ شُد"

۲- قطعہ ۱۴۱ میں بدّھو کا ذکر ہی۔ حضرت لسان العصرؔ کا مشہور شعر ہی:-

بدھو میاں بھی حضرتِ گاندھی کے ساتھ ہیں گو خاکِ راہ ہیں، مگر آندھی کے ساتھ ہیں

اکبرؔ اور جوہرؔ کے مدّاحوں اور عقیدت مندوں کو جناب بدایونی کا احسان مند ہونا چاہیے کہ آپ نے اس معروف شعر کے بدّھو کا مفہوم صاف کر کے گاندھی نامے کے اس قطعے میں حضرت شاعر نے بدّھو کے متعلق جو صفائی پیش کی ہی اس کی توجیہ بھی کر دی۔ معلوم ہوا کہ کسی طرح مولانا محمد علی جوہرؔ (علیہ الرحمۃ) کو یہ شبہہ ہو گیا تھا کہ بدّھو سے ان کی شخصیت اور ذات مراد تھی۔ مگر حضرت لسان العصر کے ایماء سے بدایونی صاحب نے حضرت جوہرؔ کا یہ شبہہ دُور کیا اور یہ بھی بتایا کہ ان کے متعلق حضرت اکبرؔ کی جو رائے تھی وہ علاوہ اور اقوال کے اس قول سے بھی عیاں ہی کہ

دشوار ہی مستحق آزر ہونا آسان نہیں علی برادر ہونا[۲]

[۱] بزم، ص ۱۰۴۔

[۲] بزم، صص ۶۴-۶۵۔

۳۔ قطعہ ۱۷۳ میں ایک لفظ (اسم) گوج وارد ہوا ہے، جس کے معنی سمجھنے میں اشکال ہوتا ہے۔ یہ نام تھا ایک شخص کا جو اس زمانے (غالباً سنہ ۲۰) میں الہ آباد میں محکمۂ نشر و اشاعت کا کمشنر تھا۔[1]

علاوہ ان حقائق کے جو بزم اکبر سے مستفاد ہیں، اس میں شبہہ نہیں کہ یہ کتاب اکبر اور اکبریات کے متعلق ایک نہایت قابل قدر خزانہ ہے جس میں معلومات کے بیش بہا جواہر جمع ہیں۔

اس نامکمل نقش اول کو اس مجلد میں شامل کرنے میں یہ مصلحت مدنظر ہے کہ اس کے مطالعے سے گاندھی نامے کے ارتقا کا حال کھلتا ہے۔ شاعر کسی "اڈیٹر صاحب" کو مخاطب کر کے ایک مسلسل عبارت کی صورت میں گاندھیت اور اس کے پیدا کیے ہوے مسائل پر عوام اور خواص کی راے بیان کر کے ان کے خیالات اور توہمات کی ترجمانی کرتا ہے، وقتی حالات کا جائزہ لیتا ہے، اپنی ذاتی راے کا اظہار کرتا ہے، اور ماحول پر غائر نگاہ ڈال کر بدلتے ہوے حالات اور عقائد پر نقد و تبصرہ کرتا ہے۔ اس تمام ہنگامے کو مصنف علام نے "فتنۂ موجودہ" کا نام دیا ہے۔ اس مختصر کے مطالعے سے مفصل نسخے کے سمجھنے میں قابل قدر مدد ملے گی۔

اس نسخے کے تمہیدی جملوں کو ترک کر کے مصنف نے مفصل نسخے میں سات عنوان

---

[1] بزم، ص ۱۳۱

قائم کیے ہیں:

اعتراضات؛ ہندوؤں کے ساتھ ہو گئے؛ گاندھی کا ساتھ بغاوت نہیں ہے؛ ترک موالات کی توجیہ؛ عدم ترک موالات کی توجیہ؛ بے پروائی و بے تعلقی؛ اور ظرافت۔

زرا سے غور سے بھی یہ امر واضح ہو جائے گا کہ اس فتنے اور ہنگامے کے متعلق خیال اور رائے کے ضبط اور ظاہر کرنے کا کوئی پہلو ان عنوان میں نہیں چھوٹا۔ جیسا کہ ہر تحریک کے آغاز میں ہوتا ہے، جب سنہ ۱۹۲۰ء میں برطانوی حکومت سے عدم تعاون اور ترک موالات کا تہیہ کر لیا گیا تو نہایت شدت سے ہر شعبے کے سرکاری ملازموں سے استعفے داخل کر کے ملازمتوں سے برطرف ہو جانے کے لیے کہا گیا، یہاں تک کہ پولیس اور فوج کے ملازموں پر بھی یہی تاکید تھی۔ اسی طرح برطانوی طرز تعلیم سے بھی بیزاری جتانے کے لیے ہر نوع کی درس گاہ کے طلبہ سے تعلیم کو ترک کر دینے کا سبق دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی تحریک اور ایسا طرز عمل جس سے براہ راست تن پیٹ پر اثر پڑے کچھ غور و فکر کے طالب تھے۔ وہ قوم جو ڈیڑھ سو برس سے برطانیوں کو آقا، مائی باپ، ولی نعمت سمجھ کر اپنی تمام حرکات و سکنات، یہاں تک کہ خیالات سے ہر لحظہ و ہر آن اپنے کو خادم وفادار اور فرزند دلبند دولتِ انگلیشیہ ہونے کا ثبوت دے رہی ہو اور اسی میں دین و دنیا کی فلاح سمجھتی ہو، اس کے افراد کے لیے کیوں کر ممکن تھا کہ اپنے ان گوشت و پوست کے بنے ہوئے خداؤں

کے خلاف کوئی ذرا سی بھی بے جا حرکت کرنا تو ایک طرف، کوئی فاسد خیال بھی دل میں لاتے۔ پھر یہ بھی سراسر حماقت کی تجویز معلوم ہوتی تھی کہ ایک ایسی قوم سے مقابلہ کیا جائے جس کی سلطنت پر کبھی آفتاب غروب نہیں ہوتا، جس کے قبضۂ قدرت میں کرۂ ارض کے پانیوں کا ایک ایک قطرہ ہے اور جس کے نام ہی کی ہیبت سے بڑے سے بڑا بادشاہ وقت بھی لرزتا ہے! مختصر یہ کہ ایسی حرکت کرنے کی ہمت کا پیدا ہونا ہی محال معلوم ہوتا تھا، اس پر عمل کرنا تو کیسا۔ چھوٹے چھوٹے لوگوں نے ضرور ہمت کر کے ان باغیانہ تحریکوں اور تجویزوں پر عمل کیا، مگر جن کے رتبے تھے سوا ان کو سوا مشکل تھی۔ بڑوں کے پاس بیسیوں بہانے تھے، جس کو پیش کر کر کے وہ صاف بچے رہے اور یا توزبانی جمع خرچ کرتے رہے یا گھر کے بھیدی بن کے لنکا ڈھانے کا کام اپنے ذمے لے لیا۔ گو اس میں شبہہ نہیں کہ بعض نے لنکا کے بہت سے حصے ڈھا بھی دیے، تاہم اکثر "بزرگوں" نے اس خوبی سے نباہا کہ ان کے دونوں ہی میٹھے رہے، مایا بھی ہاتھ لگی اور رام بھی مل گئے۔ ایسے حالات میں اعتراضوں اور بہانوں کی کیا کمی ہے؛ پھر سب سے بڑا سوال ہندستان کی دو بڑی قوموں "یعنی ہندو مسلمانوں" کی باہم یک جہتی کا تھا۔ ہندو شمار میں مسلمانوں سے کہیں زیادہ، دولت مند، زر اندوز، زر پرست، جاہ پرست، حاکم پرست، صدہا سال سے جی حضوری اور ست بچنی کا عادی، گندم نما جو فروش، علم و ہنر میں بہت آگے؛ مسلمان مفلس، گھر پھونک تماشا دیکھنے والا، تعداد میں ہندوؤں سے

بہت کم، بر خود غلط، بے فکر و بے پروا، بے باک، عاقبت بیندیش، صاف گو، پدرم سلطان بود کا قائل، علم و ہنر سے عاری۔ برطانوی حکمرانوں نے ہر ممکن ذریعے سے تاریخ ہند کو مسخ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ ہندستان کے مسلمان حکمرانوں نے اپنی رعایا پر ہمیشہ ظلم توڑے اور غیر مسلموں کے ساتھ سخت متعصبانہ سلوک روا رکھا۔ ان کی تعلیم نے ان عقائد کو ہر طالب علم کے دل و دماغ میں ہمیشہ کے لیے ثبت کر کے ایک طرف تو مسلمان کو خود پشیمان کر دیا، دوسری طرف ہر غیر مسلم کو مسلم کا دشمن بنا دیا۔ پھر ان سفید آقاؤں اور استادوں نے ایک طرف تو یونان، روما، یورپ اور بالخصوص انگلستان کی شاندار تاریخیں پڑھا پڑھا کر اپنا اور اپنے یورپی بھائی بندوں کا رعب و جلال اپنے گندمی رنگ کے ہندی غلاموں اور شاگردوں کے دل و دماغ پر طاری کر دیا، دوسری طرف خود ہندو اور مسلم پر یہ واضح کر دیا کہ وہ اپنے مذہب، اپنی قومی و ملی روایات، اپنی رسوم اپنی زبان، لباس سب میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ مختصر یہ کہ ان گوروں نے اپنے پرانے رومی استادوں کے سکھائے ہوئے اصول "لڑاؤ اور راج کرو" پر عمل کر کے ہندو اور مسلم کو خوب لڑایا، اور اس خوبی سے لڑایا کہ اس اصول اور طرز عمل سے واقف ہو جانے کے بعد بھی وہ ذرا ذرا سی شاباش پر لڑتے رہے اور لڑ رہے ہیں۔ غرض یہ کہ ایسی ایسی خو بو رکھنے اور ایسے حالات میں رہنے والی دو قوموں کا ایک طرز عمل پر متفق و متحد ہونا نہایت دشوار تھا۔

اعتراض کرنے والوں کو احتیاط کا تقاضا سب سے زیادہ شدید معلوم ہوا. اول تو انھیں یقین ہی نہ ہو سکا کہ یہ سب چیخ پکار محض "عف عف ہی یا گرج ہی". امن پسند، برخوردار مزاج لوگوں نے وقت کی نزاکت کا اندازہ کر کے "غصہ ہو، آہ ہو کہ ہنسی، سب کو ضبط کرنے کا اصول بنا لیا. لیکن یہ سب کو یقین تھا کہ "وہ بڑا جو صاحب سے لڑے". دین کے مقتداؤں نے زمین میں فساد پھیلانے اور ہتیا چار کرنے کی مذمت کر کر کے یہ وعظ کرنا شروع کیا کہ "بیٹھ رہو، جو کچھ بھی ہو لیکن صبر کرو، اور حمد خدا کے گیت سنو". بعض بھلے مانسوں کی رائے تھی کہ تیغ و تفنگ سے نہتے ہونے کی حالت میں ہمارے لیے بہتر اور مناسب طریق کار یہی ہے کہ "کاغذ پر گھس گھس" کر کے آئینی جنگ کی جائے. مختصر یہ کہ جتنے مُنہ تھے، اتنی ہی باتیں تھیں. ہر شخص کسی نہ کسی بہانے سے پہلو تہی کرتا اور بچنے کی راہ نکالتا تھا. حکمران قوم بھی مدبر تھی. اس نے سیاسی ہل چل بڑھتی دیکھی، تو غلے اور کپڑے کے بازاروں کو سرد کر دیا، کہ بھوکا اور ننگا کم بخت سیاسیات کے لیے دماغ ہی کہاں سے لائے گا؛ دولت مند قوم سے تجارتی اور مالی مراعات چھین کر اس کے غرور کو توڑا، اور مفلس قوم کے بھوکوں کو دو چار عہدے دے کر اپنا حلقہ بگوش غلام بنا لیا؛ دونوں کو روٹھتا دیکھا تو چند گندم نماؤں کو بے معنی خطاب اور خالی خولی اعزاز دے کر جو فروش بنا دیا؛ اخبارچیوں کو وظیفے دے کر وعظ کرا دیا کہ "اونٹ کو متانت اور گائے کو کلیلیں زیبا" ہیں: اے بھائی

مسلمانو! "ہوم رول اُن کو مبارک، ہم کو تقویٰ چاہیے"!

ہندو اور مسلم میں فرق اور مخالفت کے باوجود بھی ایسے مسلمان پیدا ہوئے گئے جنھوں نے ہندوؤں کی ہاں میں ہاں ملاکر کمال عقیدت مندی سے گاندھی جی کو وقت کا پیشوا اور ہندستان کا امام تسلیم کرلیا۔ آبِ زمزم اور گنگاجل ایک ہوگئے. مسلم راہبروں اور بزرگوں نے اسلام کے اصول، مساوات اور اخوت، پر فخر کے ساتھ عمل کرتے ہوئے ہندو نیتاؤں کو مسجدوں کے منبروں تک پر لے جاکر کھڑا کردیا — بُت خانے میں مرنے والوں کو کعبے میں جاگاڑا. انگریز بھی کانپ اٹھا، اور سمجھ گیا کہ کفر وایمان کا یہ اتحاد بے پناہ ہے! نتیجہ یہ ہوا کہ ان بزرگانِ ملت نے "اسلام کو بُت کا رام کیا، شیخ کی شیخی ختم ہوی"، اور اس کی نمازیں نذرِ برہمن ہوگئیں. گاندھی جی پہلے تو سب کے "باپو" بنے، پھر حقیقت اور حق پرستی کی طریقت کے سالک بن کر "مہاتما" ہوگئے. اب تو سب ہی کو یقین ہوگیا کہ واقعی "مہراج اور مہاجر کے حرف ایک ہی ہیں" اور اگر ہندو مسلم آپس میں مل جائیں اور سیاسی کشتی میں پِل جائیں تو آزادی کے مل جانے میں کوئی شبہہ نہیں رہنا چاہیے. اس میل ملاپ کا ظہور دیکھنے کے بعد بھی شاعر مطمئن نہیں تھا:

خدا جانے ظلمت ہے اس میں کہ نور!
اسی میل کا آج کل ہے ظہور.

اس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ لسان العصر کا یہ شبہہ بے جا نہیں ہے، اور یہ کہ آئندہ میں سال کے اندر اندر ہی اس میل کی قلعی کھل جائے گی! مگر اس تمام یگانگت اور

یک جہتی کے ظاہری سامان اور آئندہ کی فلاح کی امیدوں کے باوجود، ایسے لوگ بھی معقول تعداد میں تھے جو ترک موالات کے ہرگز قائل نہ تھے اور جاہ و زر کی تمنا اور طلب میں زیست کے دن بسر کرنے کے بعد باور کر چکے تھے کہ "صاحب سے رہے ہل کے، وہی خوب ہی نیٹو"۔ بعض ترک موالات کے اصول کو اسلامی تقویٰ کا مُنافی سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ "اصلاح نیشن" کے لیے پہلے "نفس کی خواہش سے من کو آپریشن چاہیے"۔ اور سب سے اچھا بہانہ ترک موالات کے خلاف یہ تھا کہ "جس کو ہو زر درِ خانہ جنگی کا۔ وہ کرے سامنا فرنگی کا!"

ان دونوں کے بعد ایک تیسری جماعت ایسے بے پرواؤں کی بھی موجود تھی جو ان تمام جھمیلوں سے بے تعلق اور الگ تھلگ رہنا چاہتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ میاں کس جھگڑے میں پڑے ہو، یہ سب لغویات ہیں، اس فانی اور لایعنی زندگی کے لیے یہ سب علتیں کیوں پالی جائیں، یہ آفتیں کیوں جھیلی جائیں؟:

فقط اک لہو و لعب ہے یہ حیاتِ دنیا
بعد مرنے کے جو پیش آئے گا جینا وہ ہے!

ان کا خیال تھا کہ دنیا کی تاریخ میں ایسے ایسے انقلاب اور ہنگامے بہت ہو چکے ہیں، ہمیشہ سے "یہی فلک کا چلن رہا ہے"۔ ایسے ایسے فسادوں اور انقلابوں ہی سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی آمد کا زمانہ قریب ہے اور حشر برپا ہوا ہی چاہتا ہے۔ یوں اگر

شان شوکت دکھانا اور اپنے لیے جَے کے نعرے لگوانا چاہتے ہو تو البتہ یہ اچھا نسخہ ہی کہ اس سب دکھاوے کے لیے گاندھی کے چیلوں میں جا ملو. بوڑھے کہتے تھے کہ

تجربہ ترکِ تعاون کا کریں یہ نونہال گوریں جو پاؤں لٹکائے ہوے ہیں اُن کو کیا!
خاتمہ بالخیر ہی اُن کا پُرانے راگ پر وہ کہاں پائیں نئے سُر، اور کریں اس دُھن کو کیا!

اور سب سے بڑی بات یہ ہی کہ ہماری زندگی میں کوئی چیز بھی تو ایسی نہیں ہی جسے ہم اپنی کہہ سکیں. زمین پر، پانی پر، ہواؤں، ہر طرف سے وہ ہم پر چھاے ہوے ہیں یہاں تک کہ "علوم اُن کے، زبان اُن کی، لغات اُن کے." یعنی ہمارے خیالات بھی ہمارے نہیں ہیں بلکہ وہی ہیں جو ہمارے آقاؤں نے ہمیں سکھا بتا دیے ہیں. ایسی حالت میں گاندھی جی کی جَے بولنے کی تاکید کرنا فقط ضد ہی اور کچھ نہیں. شاعر نے کس خوبی اور کمال سے پیش گوئی کی ہی کہ

قرائن کہہ رہے ہیں آ رہا ہی دَور فتنوں کا.
ہوائیں وہ چلیں گی نقش مٹ جاے گا کتنوں کا!
کسی کی چل سکے گی کیا، اگر قربِ قیامت ہی.
مگر اس وقت اِدھر چرخا اُدھر اُن کی وزارت ہی!

گو یہ صحیح ہی کہ "اُن" میں

اُن میں نہ رنگِ دروش، اُن میں نہ شانِ شاہی

گالی ہی اور زندان، چرخا ہی اور انجن!

آخری باب میں "ظرافت" کے عنوان سے ۳، قطعوں میں ۱۲۹ شعر ہیں، ان میں اس تمام ہنگامے پر اور گاندھیت کے ہر پہلو پر کمال بلاغت و ظرافت کے ساتھ نقد و تبصرہ اور اظہار رائے کیا ہے۔ مسلمانوں کا رجحان اور تذبذب، ہندوؤں کا بے باکانہ اور بے تحاشا اقدام، برطانوی حکومت اور قوم سے ہندو اور مسلم کی روز افزوں نفرت، وطن کی آزادی کے لیے دونوں کی مساویانہ سعی اور عمل کی ضرورت، مسلمانوں کی ہندوؤں کی طرف سے بے اعتباری، ہندوؤں کا ہندی اور بیرونی مسلمانوں کے تسلط اور حکومت کے دوبارہ قیام کا بے جا اور بے سبب خطرہ، قدیم ایشیائی اور ہندی تہذیب و اطوار کی طرف رجعت، نوجوان ہندیوں کی دین و مذہب سے بیزاری اور آزادانہ بے راہ روی، گاندھی کے قول و فعل میں، مذہب اور رہبانیت کے رنگ روپ میں ایک طرف اہل وطن کی عافیت جوئی اور برطانوی حکومت و اقتدار کی بیخ کنی اور دوسری طرف "مسلم خطرے" پر نگاہ رکھتے ہوئے درپردہ برطانیا کی خیر خواہی اور خوشامد اور ہندستان کی ملت اسلامی کو علی الدوام دوسروں کا دست نگر رکھنے کی تدبیریں، برطانوی ارباب حکومت کی بظاہر سخت گیر روش کے ساتھ ہندو دوستی اور مسلم دشمنی؛ ایک جانب اہل جاہ و ثروت کی سازش، مذہب اور دیانت اور مساوات کا ریاکارانہ اظہار؛ دوسری طرف بے عملی، بے علمی، بے زری، بے نظمی

عدم اتفاق، صحیح قسم کے راہ نماؤں کی نایابی، اور ایسے عالم اور ان کیفیات میں مؤخر الذکر کی کم زوری اور بے بسی ــــ یہ تمام مضامین اور حقائق "ظرافت" اور بلاغت کے حقیقی معنوں میں اس باب میں جمع اور مرکوز ہیں۔ ان اشعار میں سے تمثیل و توضیح کی غرض سے اگر انتخاب کیا جائے تو غالباً یہ کُل باب ہی نقل ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کو تحصیل حاصل اور تطویل لاطائل سمجھ کر اہل ذوق کے ذوق وسیع اور ظرف عالی پر اعتماد پر اکتفا کرتا ہوں۔

حضرت لسان العصر کے کلام کے محاسن اور کم و کیف کے بارے میں کچھ لکھنا بھی محض غیر ضروری ہے۔ تاہم مُحبّ مکرم مولانا الحاج عبدالماجد دریابادی سلمہ اللہ العزیز کے جامع و مانع الفاظ پر ختم کرتا ہوں کہ اکبؔر

"برجستگی[ع] اور بدیہہ گوئی کے بادشاہ تھے۔ معنی آفرینی گویا اُن کا حصہ تھی۔ مضمون ہر قسم کے جیسے ہاتھ باندھے ان کے سامنے کھڑے رہتے تھے جس مضمون کو چاہا بہترین لفظی صنعت کاری کے ساتھ ادا کر دیا۔ پُرگوئی گویا اُن پر ختم تھی۔ اکبؔر مذہب کے بڑے حامیوں اور مشرقیت کے خاص طرفداروں میں تھے! اور یہ یاد رہے کہ یہ وہ وقت تھا جب "رِفارم" یا اصلاح و تجدد کا جھنڈا سر سید احمد خان مرحوم کے

[ع] صدق، مورخہ ۱۸ ستمبر سنہ ۱۹۴۶ء، ص ۳، ۴: راقم مولانا کا بے حد ممنون ہے کہ آپ نے نہایت دریا دلی کو کام فرما کر ان الفاظ کے نقل کی اجازت عطا فرمائی۔

ہاتھ میں تھا. اکبر ان کے معاصر تھے، گو سن میں ان سے کہیں چھوٹے. کلام میں خوب خوب چٹکیاں لیتے جاتے ہیں، لیکن چٹکیاں بھی عموماً گدگدیوں ہی کے رنگ کی ہوتی ہیں. اکبر ذاتی حیثیت سے بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے. ہر بڑے چھوٹے سے جھک کر ملنے والے، کسی کی دل شکنی نہ گوارا کرنے والے، اور نماز و قرآن کے گویا عاشق: ایسے عاشق جو اچھے اچھے عالموں اور درویشوں میں بھی کمتر ہی دیکھنے میں آیا ہی". مختصر یہ کہ بقول حضرت اقبال (رحمہ اللہ) "سیدھے آسان اور مختصر الفاظ میں حقائق بیان کرنا آپ کا کمال ہی"۱.

آخر میں اس کتاب عزیز کے مخطوطے کی شان کی وضاحت، اور کچھ دفع دخل مقدر کی غرض سے اتنا اور عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہی کہ:

مصنف اکبر نے اپنی تحریر میں اکثر مقامات پر صحت کے لیے، اور غالباً ناظر کی ہدایت کے لیے بھی الفاظ پر اعراب دے دیے ہیں. خاکسار راقم نے یہ التزام نہ صرف قائم رکھا ہی، بلکہ اس میں ضروری مقامات پر اضافہ بھی کیا ہی. مثلاً جناب مصنف نے قطعہ ۳۳ کے دوسرے اور قطعہ ۵۲ کے تیسرے مصرعے میں زرا لکھا ہی جسے عموماً ذرا لکھا جاتا ہی؛ قطعہ ۲، کے چوتھے مصرعے میں بچائیں گے میں ۃ نہیں لکھی ہی؛ قطعہ ۱۴۵ کے تیسرے مصرعے میں قبضا لکھا ہی؛ قطعہ ۶۳ کے

---

۱. نامۂ اقبال بنام اکبر، مورخہ ۲۰ جنوری سنہ ۱۹۱۶ء (اب تک غیر مطبوع).

چوتھے مصرعے میں دعویٰ (یائے مشدّد)، اور قطعہ، ہم کے تیسرے مصرعے میں مدّو کو
ان اعراب سے واضح کیا ہے۔

دل از لطافتِ سخنش پر نشاط باد!
جان را ز نکتہ ہای خوشش انبساط باد!

محمد نعیم الرحمٰن

گاندھی نامہ

۱؎ جناب ایڈیٹر صاحب!

دو چار روز سے آپ کے ایڈیٹوریل فتنۂ موجودہ کے متعلق بہت معنی خیز ہوتے ہیں۔ آپ صحیح فرماتے ہیں کہ مہاتما گاندھی کی نسبت خیالات متحد نہیں ہیں۔ ایک طرف کہا جاتا ہے کہ افغانستان کا حملہ ہوگا؛ انگریز چلے جائیں گے؛ محمود شاہی ہوگی؛ ہندوؤں کا نقصان ہوگا۔ لیکن یہ کیوں نہیں کہا جاتا کہ افغانستان کا بھی پیمانہ لبریز ہوگیا؛ برطانیہ سے بھڑ کر وہ بھی اپنا الحاق برٹش ہند سے کرا دے گا۔ وہاں بھی سنگ زرد برادر شغال موجود ہیں! یہی مضمون ہے جس کی طرف شاعر اس شعر میں اشارہ کرتا ہے:-

بھائی گاندھی کا وسیلہ چاہیے
ہضم کابل کا بھی حیلہ چاہیے۲؎ (۴۶)

ایک صاحب کا یہ خیال ہے:

۲؎ اصل نسخے میں دو شعر ہیں۔ ملاحظہ ہو قطعہ ۴۶۔

وہ شیخ کی شیخی رہ نہ گئی، اسلام کو بُت کا رام کیا۔
سرکار خفا کیوں ہونے لگی، گاندھی نے تو چوکھا کام کیا۔
ٹھاکر کی زبردستی نہ رہی، دہقان کی وہ پستی نہ رہی؛
سرکار کی بھی مرضی تھی یہی، گاندھی نے علاقہ خام کیا!
باہر کا کوئی بیٹھے نہ یہاں، افغان ہوں یا ہوں تُرک میاں۔
مطلب ہے یہی، پھر گاندھی پر عاید یہ عبث الزام کیا۔
افسوس تو ہے اُس قوت پر، اُس خواہش پر، اُس حالت پر،
یاروں کو لڑایا جس نے بہم، ہر صُلح کو جنگ انجام کیا۔ (۶۰)

.....

اگرچہ شیخ و برہمن اُن کے خلاف اِس وقت اُبل رہے ہیں،
نگاہِ تحقیق سے جو دیکھو، اُنھیں کے سانچے میں ڈھل رہے ہیں۔ (۵۹)

بعض صاحبوں کا خیال ہے کہ یہ ایک اضطراری حالت ہے، کوئی اتحاد ملکی وجود پذیر نہیں ہے۔

نہ مولانا میں لغزش ہے، نہ سازش کی ہے گاندھی نے۔
چلایا ایک رُخ اِن کو فقط مغرب کی آندھی نے! (۶۹)

ایک بڑا گروہ ترک موالات سے معذوری ظاہر کرتا ہے۔

جاہ و زر کے رہے انگلش سے ہمیشہ طالب۔

عہد پیری میں بدل سکتے ہیں کیوں کر قالب؟
شتہر کر دیں یہ ہمدم میں جناب جالب:

زندگی بھر تو رہا عشق بتاں ہی غالب،
"آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے!" (۹۶)

......

کوچۂ سردِ انگلش میں رہے ہم ساکن،
جاہ وزر ہی کی تمنا میں کٹے زیست کے دن۔

وعظِ گاندھی سے بدل سکتے ہیں کیوں کر باطن؟
"عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں، مومن!
"آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے!" (۹۵)

کسی نے تو صاف کہہ دیا ہے:

یہ دال لبِ گنگ کبھی گل نہیں سکتی۔
کلّو کے پٹاخے سے بلا ٹل نہیں سکتی۔

اگرچہ بعض کو وہم ہے کہ گورنمنٹ پریشان ہے:

تہمد اور دھوتی بہت تنگ آئے تھے پتلون سے۔
لیکن اب پتلون ڈھیلی ہے اسی مضمون سے۔

......

یہ جماعت دیکھیے یہ ڈھول تاشا دیکھیے. دوڑنا یاروں کا ایسا بے تحاشا دیکھیے!
آپ نے طاقت کی تو جولانیاں دیکھیں بہت. ضعف کے ہیجان کا بھی اب تماشا دیکھیے!
(۱۴۲)

لیکن غالب خیال یہ ہے:

انگریز قوی بھی ہیں، سرافراز بھی ہیں؛
تدبیر میں، علم و فن میں ممتاز بھی ہیں.

بابو کو نچادیا جو چابی دے کر،
اس سے یہ کھلا کہ دل لگی باز بھی ہیں!

بعض مقاومت مجہول کو لغو سمجھتے ہیں.

چشم ساغر میں بہت دلکش ہے گو وہ بھی، مگر
آپ کی آنکھوں کے آگے ذکرِ نرگس کیا کریں!

زورِ بازو جب نہیں ہے، جب نہیں تیغ و تفنگ،
سرنگوں خامے سے پھر کاغذ پہ گھس گھس کیا کریں!
(۱۸)

مہاتما گاندھی کی اس نصیحت پر ہنستے ہیں.

نہ صاحب کو مارو، نہ صاحب سے بھاگو. مچاتے رہو غل، پٹو اور مانگو!
(۵۶)

بعض کو اطمینان بھی ہے. وہ اس کو مطیعانہ اور آئینی جد و جہد سمجھتے ہیں.

لہ یہ وہی طرزِ عمل ہے جسے عرفِ عام میں "ستیاگرہ" کہتے ہیں۔

وہ نہ اٹھّے نہ کابل کے امیر، کیوں نہ ہم ہو جائیں گاندھی کے وزیر؟
قوم بھی خوش، مطمئن سرکار بھی، بلکہ لیں تسبیح بھی زنّار بھی!
(۵۷)

.....

دیر میں ہنستے ہیں اب، کعبے میں برسوں رو لیے۔
شیخ جی کرتے ہی کیا، بابو کے پیچھے ہو لیے۔ (۵۰)

.....

آبِ زمزم سے کہا میں نے: "ملا گنگا سے کیوں؟
کیوں تری طینت میں ایسی ناتوانی آگئی؟"
وہ لگا کہنے کہ "حضرت، آپ دیکھیں تو ذرا:
بند تھا شیشے میں، اب مجھ میں روانی آگئی!"
(۵۳)

کہیں عام طور پر ایک شاعرانہ نگاہ کی جاتی ہے:

جو پوچھا "کیوں کمر اس منزلِ تاریک میں باندھی؟"
زبانِ حضرتِ شوکت میں بولے با اثر گاندھی:
"مباش اے رہ نوردِ عشق فارغ از طپیدن ہا"
کہ در آخر بجائی می رسد از خود رمیدن ہا!"
(۷۳)

بہت ایسے ہیں کہ بے خبری و بے پروائی ہی کو پسند کرتے ہیں۔

ہو گاندھی سے اے اکبر اگر لڑکوں پہ جی چاہو۔

جھکو سلطان کے آگے، اگر فرماں رَی چاہو.

شریکِ بزمِ رندِ عافیت جُو آ کے ہو جاؤ،

جو ذوقِ بے خودی ہو اور دَورِ جامِ مَے چاہو.
(۱۱۴)

خطاب کی واپسی فضول سمجھی جاتی ہے:

آپ نے واپس نہ کیا کیوں خطاب؟ بیٹھے ہیں کیوں گوشے میں مغموم و سُست؟

کہنے لگے "اس کا اثر ہوگا کیا؟

نازبران کُن کہ خریدارِ تُست!" (۸۹)

کوئی کہتا ہے کہ بہ مجبوری یہ بات پیدا کی گئی:

شوخیٔ غرب سے گھبرائی جو شرقی رِندی،

بُت نے انگڑائیاں لیں، دَیر میں چونکی ہندی.

لب پر آیا یہ سخن: "کیسی اُٹھی ہے آندھی!

لہجہ صبر و متانت میں یہ بولے گاندھی:

ذہنِ عالی سے ترشنے لگے قانون نئے.

عاجزی ہم کو سُجھانے لگی مضمون نئے. (۶۴)

بعض کہتے ہیں کہ نئی تعلیم نے بے ادبی پھیلائی. فتنۂ موجودہ اسی کا اثر ہے.

یہ جو ہنگامہ ہے، جس کی ہر طرف تائید ہے،

آپ کی تعلیم ہے، اور آپ کی تقلید ہے!

مستحقانِ ادب کو آپ نے رسوا کیا.

آپ کے دعویٔ عظمت کی بھی اب تردید ہے!

(۶۳)

یہ خیال بھی ہے کہ خدا ہی نے یہ مدارج قائم کیے ہیں:

انگلش کو خدا نے بادشاہی دی ہے. رفتارِ زمانہ نے گواہی دی ہے.

ٹُڈّو بھی لگاتے ہیں مدریا کا دم! ہندو کو چلم بھی لالہ ساہی دی ہے!

(۴۷)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سرتابی بالکل حماقت ہے. گورنمنٹ جو کچھ دیتی ہے شکرگزاری سے لے لو؛ مطیع رہو.

اثر دَورِ فلک کا پڑ رہا ہے جو زمانے پر،
تمھارے یہ رزولیوشن اُسے کم کر نہیں سکتے.

کریں گے وہ ترقی ہم جو ہے ذاتی و روحانی.
تمھارے ساتھ اس ذلت کا ماتم کر نہیں سکتے!

(۱۲۳)

---

۱. مخطوطے میں ان دونوں شعروں کے درمیان میں یہ شعر بھی درج ہے:

بٹھا سکتے ہیں تم کو لاٹ صاحب تختِ شاہی پر، مگر یہ جان لو کلّو کو دِتیم کر نہیں سکتے!

مگر اسے لکھ کر قلم زد کر دیا گیا ہے. اس قطعے کے تیسرے شعر کے بعد یہ فقرہ اور شعر بھی لکھ کر قلم زد کیے گئے ہیں:

"ایک طرف سے آواز آتی ہے:

جو کی بھی صدا اُٹھے گی چرخے بھی چلیں گے لیکن یہ سمجھ لیجیے صاحب نہ ٹلیں گے."

یہ شعر اصل نسخے میں شمار ۱۷۰ میں شامل ہے.

اسلامی شاعر کہتا ہے کہ گاندھی تو آج اٹھے ہیں، ہم تو مدت سے وعظ کہہ رہے ہیں۔ لیکن ہمارا پولٹکل مقصود نہیں، بلکہ صرف مذہبی و روحانی۔

نشانِ شوکت و گاندھی کُجا بوُد، کہ اکبر صرفِ کشفِ ماجرا بود!
بجاے ملک، لیکن، مدعایش
خدا بود، و خدا بود، و خدا بود! (۴۴)

یہ اعتراض بھی ہے کہ تم گاندھی کے شریک کیوں ہوے!

اس سوچ میں ہمارے ناصح ٹہل رہے ہیں،
گاندھی تو وجد میں ہیں، یہ کیوں اچھل رہے ہیں؟

ہیں وفد اور اپیلیں، فریاد اور دلیلیں،
اور کبرِ مغربی کے ارماں نکل رہے ہیں![1]
(۴۵)

ترکِ موالات اور عدمِ تشدد کو بہت لوگ بے جوڑ سمجھتے ہیں۔

شبِ وصال میں گاندھی کا وعظ آفت ہے۔
یہ حکم ہے کہ نہ بڑھیے مساس کی حد سے!
ہر اک کی رگ میں نہیں ہے سکونِ روحانی۔
یہ ضبط سہل نہیں جذبۂ مجرد سے!

۱۔ اصل نسخے کے شمارہ ۴۵ کا دوسرا اور چوتھا شعر یہاں غائب ہے۔

نگاہ دور ہی رکھو، خیال کافی ہے!

بجز فساد کے حاصل نہیں کچھ اِس کدے سے! (۱۶۸)

یہ خیال بھی ہے کہ مسلمان زیادہ معتوب ہیں:

گاندھی سے کیوں ہو وحشت، باطن کی برتری ہے.

شوکت سے کیوں نہ کھٹکیں، وہ اُن کی تو بہ، سٹری ہے. (۱۶۹)

اُدھر ہندو بھی مطمئن نہیں ہے:

جان ان کی کہیں ترکِ مُوالات نہ مارے!

اس خوف[1] میں ہیں ترکِ مُوالات نہ مارے!

(۱۵۳)

حریف کا اشارا[2] ہے:

شیخ جی کو ذرا گھُلانا ہے! لالہ صاحب تو دیکھے بھالے ہیں[3].

(۱۵۴)

لیکن قول آخر یہ ہے:

دھوتی کے پیچ میں ہیں، اُتھمیں تن رہے ہیں.

صاحب بنا رہے ہیں، ہم لوگ بن رہے ہیں.

۱؎ اصل نسخے میں دوسرا مصرعہ یوں ہے: کہتے ہیں کہیں تُرک .... الخ.

۲؎ مصنف نے اس لفظ کے آخر میں الف ہی لکھا ہے.

۳؎ اصل نسخے میں اس شعر سے پہلے ایک اور شعر بھی ہے.

تیغ زباں کی دیکھو ہر سُو برہنگی ہی.
بابو کی ہیں کلیلیں، صاحب کی دل لگی ہی![۱]
(۱۶۷)

فلک سے ایک ایسی بھنک سنائی دیتی ہی:

آسمانی توپ چلتی ہی کہیں صدیوں کے بعد؛
لیکن اڑ جاتی ہیں ساری غفلتیں دو فیر میں!

اکثر اہل بصیرت اس ہنگامے کو صرف پالسی کا عشوہ سمجھتے ہیں:

طبع گاندھی د گورنمنٹ کو برہم نہ کرو.
ہاتھا پائی یہ شب وصل کی ہی[۲]، غم نہ کرو!

ایک صاحب اخبار بینی کو اب تضیع اوقات سمجھتے ہیں:

جو گرہ میں تھا حریفوں نے اڑایا اُس کو مُفت.
اب فقط اخبار ہیں اور من چہ گُفتم، اُو چہ گُفت.

کوئی لطیفہ سنجی کرتا ہی:

گاندھی نے مان لی ہی مدن موہنی صلاح.
ہندی تو تھے ہی، اب مدنی بھی وہ ہو گئے! (۱۷۳)

۱؎ اصل نسخے میں صرف یہی شعر ہی، اور اس میں "کلیلوں" کو حوصلے کہا گیا ہی.

۲؎ اصل نسخے میں ان الفاظ کی ترتیب میں خفیف سا فرق ہی.

ایک کا خیال ہی کہ گورمنٹ کی دلچسپی ہی: گویا شکار کھیلا جاتا ہی.

وہ اٹھنے دیتے ہیں خود فتنہ ہاے بے حقیقت کو

کہ تا حاصل کریں اُس کے فرو کرنے کی لذت کو!

گاندھی صاحب کے شملے جانے پر طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہیں:

نہیں کہتا کہ چھوڑیں[1] شغل مُلکی دردمندی کا.

بس اک نظارہ کریں[1] آکے شملے کی بلندی کا!

(۱۷۶)

مالوی صاحب کے بیچ بچاؤ سے باتوں کی اصلاح پر لطیفہ سنجی کی جاتی ہی:

اظہارِ جوشِ طبع میں وقت اپنا کھو چکے.

اونگھے جناب شیخ بھی، گاندھی بھی ہو چکے.

پنڈت سکھائیں بیچ میں پڑ کے تو کیا کریں.

کابل کے بل سے گاے جو بھڑ کے تو کیا کریں!

صاحب کا بھی بھلا ہو کہ مائن سُجھا دیا؛

پنڈت کا بھی بھلا ہو کہ شعلہ بُجھا دیا. (۱۷۷)

ایک صاحب شوخی و ظرافت سے یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

---

[1] اصل نسخے میں چھوڑیں اور کریں کو چھوڑو اور کرو میں تبدیل کر دیا گیا ہی.

برائے ما بہ سرِ تختِ خویش جا کردی۔
دلِ حریص مرا غافل از خدا کردی۔

مراست ناز و تبختر کہ زر بدست آمد؛
تراست بازی و عشوہ کہ خر بدست آمد!

(۱۷۸)

کتبہ قاری عفی عنہ

امام یونی ورسٹی، الہ آباد
۱۹۴۷

انقلاب آیا، نئی دنیا، نیا ہنگامہ ہے!

شاہ نامہ ہو چکا، اب دَورِ گاندھی نامہ ہے!

بسم اللہ

انقلاب آیا، نئی دنیا، نیا ہنگامہ ہے!
شاہ نامہ ہو چکا، اب دورِ گاندھی نامہ ہے!

گاندھی نامہ

"مہاتما" گاندھی کے وعظ "ترک موالات" پر بیسیوں پہلو سے نظر کی گئی ہے۔ جو شریک نہیں ہوئے، ان کی طرف سے معذرت.....[1]

اعتراضات

۱

میری خودداری کو آخر لے گئے اس میں گھسیٹ
اب ہے میری نوحہ خوانی، اور ان کی اسٹریٹ[2]

---

[1] بیاض فی الاصل
[2] انگریزی: سڑک، گلی۔

صبر و یکسوئی و تقویٰ کو کہوں گا میں بجا
یہ تماشائے حقارت آفریں، لیکن بُرا

۲

نادیدنی امور کا تھا اک جگہ گِلا
سب نے کہا کہ "آپ بھی لِللہ بولیے"

میں نے کہا کہ "دفع کی طاقت نہیں رہی
منظر اگر بُرا ہے، تو آنکھیں نہ کھولیے"

۳

چمکا ہے بہت پولٹکل اب اثرِ قوم:
ہے قوم تو بے پر، مگر اُڑتا ہے زرِ قوم

کیا دین کے سُرمے سے کُھلے چشمِ بصیرت،
دنیا ہی کی تحصیل پہ جب ہو نظرِ قوم!

اعزاز و اثر کی عبث امید ہے تجھ کو؛
حالت تو یہ ہے پیش، درِ غیر و سرِ قوم!

۴

ظالم کو گالیاں دیں، ظلم اس کا پایا افزوں:
بارِ زباں اُتارا، اور بارِ دل بڑھایا!

۵

دیاسلائی کی تیزی تو آگئی ہم میں؛ کیسر ہی ہی کہ ڈبیا انھیں کی جیب میں ہی!

۶

ساز گلو چھڑا ہی، ہر سمت اک اُپج ہی!
لیکن ذرا سنو تو عف عف ہی، یا گرج ہی!

۷

نازک بہت ہی وقت، خموشی سے ربط کر!
غصہ ہو، آہ ہو، کہ ہنسی، سب کو ضبط کر!

۸

علتوں کو تو خود کیا پیدا: اب یہ معلول پر فغاں کیسی؟!

۹

ہانڈی تو مسلموں کی اب بھی ہی گرم، لیکن
باقی نہیں مسالا شیخی بگھارنے کو!
وہ زندگی کہاں اب، تھی جس میں جیت اپنی!
اب ہر طرف ہی خفت، جیتے ہیں ہارنے کو.

۱۰

خاموش بڑائی کرنے والے ہیں کھڑے.

اس وقت تو وہ بڑا جو صاحب سے لڑے!

کہتے ہیں ہمیں مصیبتوں پر پڑ جائیں؛
کب تک یہ ڈریں: کہیں مصیبت نہ پڑے!

۱۱

اور ہی تھی ساخت تیروں کی' نشانا اور تھا!
یہ زمانا اور ہی' اور وہ زمانا اور تھا!

تھی نہ یہ لیڈر کی رقاصی' نہ یہ قانونِ غرب؛
سننے والے اور تھے' اس وقت گانا اور تھا!

۱۲

ہو تیزیِ انور کی جو ہوس' ہنگامہ کرو' توپوں سے بھُنو.
گاندھی کی جو حکمت خوش آئے' چپ چاپ ہی کے تھان بُنو.

صاحب کی رفاقت ہو جو پسند' آسام میں جا کر چاے چُنو.
اکبر کی جو مانو' بیٹھ رہو' جو کچھ بھی ہو لیکن صبر کرو.
اور حمدِ خدا کے گیت سُنو!

ؕ انور پاشا' مشہور و معروف ترک سپہ سالار اور ہادیِ ملت.

۱۳

مِل[2] سے کہہ دو کہ تجھ میں خامی ہے: زندگی خود ہی اک غلامی ہے!

۱۴

زندگانی ہو دراز اُن کی خوش اقبالی کی!
مولی صاحب کی نہ چلتی ہے، نہ بنگالی کی!

۱۵

دل کی طاقت کیا یونہی طاقت کو کھونا چاہیے؟
یعنی بس بکتا پھرے ہراِک: "یہ ہونا چاہیے"!
اہلِ ظاہر کے تماشوں سے تو کچھ ہوتا نہیں؛
صاحبِ باطن کو تنہائی میں رونا چاہیے۔

۱۶

اختلافوں کے مہیا ہیں جب امکان اتنے
متفق ہو نہیں سکنے کے مسلمان اتنے۔
حُکم صاحب نے دیا ہے کہ شرارت نہ کرو۔
خبر اتنی ہی، اور اخبار کے سامان اتنے!

[2] جون اسٹوارٹ مِل، مشہور انگریز فلسفی اور سیاست دان، متوفی ۱۸۷۳ء۔

۱۷

نہ سمجھے تھے یہ نئی روشنی کے پروانے:
یہی ہی قصرِ خلافت کی پھونکنے والی.

دعا میں روئیے، اس وقت یہ مناسب ہی.
ہنسا رہی ہی حریفوں کو آپ کی گالی!

۱۸

چشمِ شاعر میں بہت دلکش ہی گو وہ بھی، مگر
آپ کی آنکھوں کے آگے ذکرِ نرگس کیا کریں؟!
زورِ بازو جب نہیں ہی، جب نہیں تیغ و تفنگ
سرنگوں خامے سے پھر کاغذ پہ گھس گھس کیا کریں!

۱۹

ٹھونکتے تھے مردِ میداں ہی کی پیٹھ
اب رزولیوشن پہ جَے ہونے لگی!

۲۰

اپنی جگہ ہر اک کا ارماں نکل رہا ہی:
تو پیں بھی چل رہی ہیں، جوتا بھی چل رہا ہی!
لیکن رہا میں چُپکا، دل میں یہ بات سوچی:

کس تقویت پر اٹھوں؟ انجینیر نہ سوچی!

۲۱

ثواب جب ہی کہ ناخوش ہو اس بنا پر تم:
دلوں کو طاعت حق سے یہ ڈور کرتے ہیں!

نہ یہ کہ عیش ہمارا کیا انھوں نے تلخ،
ہمیں ضعیف سمجھ کر غرور کرتے ہیں.

۲۲

دشوار ہی مستحق آنر[۱] ہونا،
کچھ سہل نہیں علی برادر[۲] ہونا!

ہاں سب یہ دعا کریں کہ ان بندوں کو
آسان ہو پیروِ پیمبر ہونا!

۲۳

تمھاری چال راہِ کفر سے کس دن الگ دیکھی؟!
جو ظلم گرگ ان میں ہی تو تم میں حرصِ سگ دیکھی!

۱؎ انگریزی: عزت، دقار.
۲؎ یعنی مولانا محمد علی اور ان کے بڑے بھائی شوکت علی، مشہور راہبرانِ ملک و ملت.

۲۴

جس بات کو مفید سمجھتے ہو، خود کرو.
اوروں پہ اس کا بار نہ اصرار سے دھرو.
حالات مختلف ہیں، ذرا سوچ لو یہ بات:
دشمن تو چاہتے ہیں کہ آپس میں لڑ مرو!

۲۵

نہ راجگی کا مجھے شوق ہے، نہ شاہی کا.
اگرچہ میں بھی ہوں طالب مگر خدا ہی کا!
یہ وعظِ مغرب، اور اس کا اثر یہ ملت پر:
بنا ہے شوقِ ترقی سبب تباہی کا!

۲۶

دید کے قابل اب اُس اُلّو کا فخر و ناز ہے،
جس سے مغرب نے کہا "تو آنریری باز ہے!"

۲۷

رفیق شیطاں چمک گئے ہیں، معینِ آدم دبک گئے ہیں.
سنائیں کیا تم کو قولِ فیصل، کہ غور کر کر کے تھک گئے ہیں.
ہمارا چلنا وہ رینگنا ہے، جو کیچوے بھی ہنسیں بجا ہے؛

مگر زباں پر وہ زمزمے ہیں کہ سُن کے بلبل پھڑک گئے ہیں!

۲۸

اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ[۱] اسلام کو بس ہی.

باقی ہی اگر کچھ، تو وہ دنیا کی ہوس ہی.

توحید کا مسلم نے بجا رکھا ہی ڈنکا.

طاعت سے وہ رکتا نہیں، لندن ہو کہ لنکا.

دنیا کی یہ ترکیب تو بالو کی ہی اک بھیت

دینی جو نظر کیجیے، اسلام کی ہی جیت.

اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ[۲] کا تو کچھ کر نہ سکے پوپ

اُمْلِی لَھُمْ[۳] ارشاد تھا، ایجاد ہوی توپ!

صدیوں کی حکومت نے کیا دین کو مربوط.

اب وہ نہ رہی بھی تو یہ دین اپنا ہی مضبوط!

---

۱ و ۲ قرآنی آیات کے ٹکڑے ہیں. ۱ "میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کر دیا!" اور ۲ "میں نے تم پر پورا کر دیا." یہ دونوں مل کر یکے بعد دیگرے ایک ہی آیت (سورۂ مائدہ آیت ۴) کے آخری حصے میں ہیں. ارشادِ الٰہی ہی کہ "آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام پورا کر دیا اور میں نے اسلام کو تمھارا دین بننے کے لیے پسند کر لیا." یہ قرآن مجید کی 'نزولِ وحی کے لحاظ سے' سب سے آخری آیت ہی. ۳ یہ الفاظ قرآن مجید میں دو مقام پر

ہر چند کہ گردون ہمہ دم در پئی فیر[1] است،
دل را بہ خدا دار کہ انجام بہ خیر است!

۲۹

بے سود آج تذکرۂ عدل و جور ہی۔　اپنا بھی ایک وقت تھا اُن کا بھی دور ہی!

۳۰

ہی چھتری بھی چپ، نہ پٹا ہی نہ بانک ہی۔
پوری بھی خشک لب ہی کہ گھی چھ چھٹانک ہی!
گو ہر طرف ہیں کھیت پھلوں سے بھرے ہوئے
تھالی میں خربزے کی فقط ایک پھانک ہی!
کپڑا گراں ہی، ستر ہی عورت کا آشکار۔
کچھ بس نہیں، زباں پہ فقط "ڈھانک ڈھانک" ہی!

آئے ہیں: (۱) سورۂ اعراف، آیت ۱۸۳ میں، جہاں اللہ نے اپنی نشانیوں کو جھٹلانے والوں کے متعلق یہ الفاظ فرمائے ہیں: "میں ان کو مہلت دیتا ہوں۔ بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہی"۔ (۲) سورۂ قلم، آیت ۴۵ میں بھی بالکل یہی الفاظ ہیں۔ دونوں جگہ مُراد یہ ہی کہ بدکار اور غلط کار قوم کو مہلت دی جاتی ہی کہ وہ اپنے اعمال و اطوار کو درست کر لیں، قبل اس کے کہ ان پر عذاب نازل ہو۔

[1] یہ انگریزی لفظ فائر کی ہندوستانی صورت ہی، یعنی: آگ؛ توپ یا بندوق کا سر کرنا؛ توپ چلانا؛ آگ برسانا، توپ کے گولے برسانا۔

بھگوان کا کرم ہو سودیشی کے بیل پر:

لیڈر کی کھینچ کھانچ ہے، گاندھی کی ہانک ہے!

اکبر پہ بار ہے یہ تماشائے دل شکن؛

اس کی تو آخرت کی طرف تاک جھانک ہے!

۳۱

فدا ہو کیک پر تم آپ، خود بسکٹ پہ گرتے ہو.
تو پھر کیا بیکری[1] کو منہدم کرنے کو پھرتے ہو؟!

۳۲

دنیا تو اسی گھر کی کنیز آج ہے، اکبر صاحب سے ہو بیزار، تو دنیا کو بھی چھوڑ دو!

۳۳

عزیزوں کو سزائے قید سے رنج و ضرر پہنچا

حریفوں پر زرا سوچو کہ اس کا کیا اثر پہنچا!

۳۴

ذہن میں آیا یہ مضمونِ تفکر آفریں:
جب حقیقت پر نظر کی وہم کو کم کر دیا.

---

[1] انگریزی: نان بائی کا کارخانہ.

دیر کو شکرِ کلیسا چاہیے کرنا ادا،
سامنے بُت کے اُسی نے شیخ کو خم کر دیا۔

۳۵

مہاتما جی سے مِل کے دیکھو طریق کیا ہے سبھاؤ کیا ہے!
پڑی ہے چکر میں عقل سب کی، بگاڑ تو ہے بناؤ کیا ہے؟

۳۶

رُخ جو ہو ترک سوالات کا عقبیٰ کی طرف،
تیری آنکھیں نہ اُٹھیں زینتِ دنیا کی طرف۔

۳۷

اے بھائیو، ہے دل میں تمھارے یہ ٹھنی کیا؟
سچا ہی شکوہ، یہ بتاؤ شدنی کیا؟
بگڑی کبھی کچھ ان کی، تو کہو اپنی بنی کیا؟
بے فائدہ تم کر رہے ہو رائے زنی کیا!
بس صبر کرو طاعت و تقویٰ میں گذارو۔
رکھو سرِ تسلیم کو خم، حق کو پکارو۔

۳۸

حضرت برہم[1] نے فرمایا پسند اس رائے کو:

[1] سابق ایڈیٹر اخبار مشرق، گورکھپور۔

اونٹ کو زیبا تسانت، اور کلیلیں گائے کو.

ان کو بڑھنا چاہیے، اور ہم کو بچنا چاہیے.
ہوم رول[۱] ان کو مبارک، ہم کو تقویٰ چاہیے!

۳۹

یہی گاندھی سے کہہ کر ہم تو بھاگے:
"قدم جمتے نہیں صاحب کے آگے":

وہ بھاگے حضرتِ گاندھی سے کہہ کے:
"مگر سے بیر کیوں، دریا میں رہ کے؟"

۴۰

ہمارے ملک میں سرسبز اقبالِ فرنگی ہے،
کہ نن کوآپریشن[۲] میں بھی شاخِ خانہ جنگی ہے!

۴۱

یسر انتہا تھا یہی، تہمد ہی کے اندر تئیں.
یہ غرض ہرگز نہ تھی پتلون کے کھٹمل بنیں!

۱؎ انگریزی: سوراج، اپنی حکومت.

۲؎ انگریزی: عدم تعاون.

۱۴۷

جو پوچھا میں نے کیسی شب تھی کل، کیا حال تیرا تھا؟
ترے گھر میں نہیں تھی روشنی، بالکل اندھیرا تھا!
وہ بولا، شوخیٔ پروانہ سے میں تنگ آیا تھا.
مرے دل میں پتنگوں سے خیالِ جنگ آیا تھا.
اچھلنے کودنے کا شوق تھا پروانے کے سر میں.
کیا ترکِ تعاون، روشنی کی ہی نہیں گھر میں!
کہا میں نے کہ پروانوں کو جو کچھ بھی ضرر پہنچا؛
بتا مجھ کو کہ تاریکی کا تجھ پر کیا اثر پہنچا؟
لگا کہنے اندھیرے میں تو ٹھوکریں بھی کھاتا تھا؛
مگر اڑنے کے بدلے رینگنا اُن کا خوش آتا تھا!

۱۴۸

نشانِ شوکتؔ و گاندھی کجا بود، کہ اکبر صرفِ کشفِ ماجرا بود!
بجائے ملک 'لیکن' مدعایش خدا بود، و خدا بود، و خدا بود!

۱۴۹

کریں گے نہ ہم حکمِ لیڈر پہ صاد،

---

۱. یعنی مولانا شوکت علی، جو مولانا محمد علی کے بڑے بھائی تھے۔

کہ قرآں میں ہے لَا یُحِبُّ الْفَسَاد!

۴۵

اس سوچ میں ہمارے ناصح ٹہل رہے ہیں،
گاندھی تو وجد میں ہیں، یہ کیوں اچھل رہے ہیں؟

نشو و نمائے کونسل جن کو نہیں میسّر،
پبلک کی جیب میں ان کے مضموں پَل رہے ہیں۔

ہیں وفد اور اپیلیں، فریاد اور دلیلیں؛
اور کبرِ مغربی کے ارماں نکل رہے ہیں!

یہ سارے کارخانے اللہ کے ہیں، اکبرؔ!
کیا جائے دم زدن ہے، یوں ہی یہ چل رہے ہیں!

۴۶

بھائی گاندھی کا وسیلہ چاہیے۔ ہضم کابُل کا بھی حیلہ چاہیے۔
دُور ابھی ہے پیٹ چلنے کی بہار
آج کل تو ہے نگلنے کی بہار!

۱۔ یہ قرآنی الفاظ ہیں۔ پورا فقرہ ہے واللہُ لایحب الفساد: "اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا" (سورہ بقرہ، آیت ۲۰۵)۔

۴۷

انگلش[1] کو خدا نے بادشاہی دی ہے رفتارِ زمانہ نے گواہی دی ہے
مِدُّو[2] بھی لگاتے ہیں مدریا کا دم، ہندو کو چلم بھی لالہ ساہی دی ہے!

۴۸

حکومت اور دولت کی جو دے چاٹ،
تو بن جائیں گے یہ آخر ترے بھاٹ.

عداوت مذہبی جو ہے پرانی
ابھار ان کو بہ اندازِ نہانی.

مجھے معلوم ہیں نیٹو[3] خصائل:
کہاں یہ وحدتِ ملکی پہ مائل!

کوئی دادر کو اپنے رٹ رہا ہے،
کوئی اک جانور پر کٹ رہا ہے!

زباں ہی پر کوئی دیتا ہے یاں جان.
معانی ہوتے ہیں لفظوں پہ قربان.

حقیقت میں یہ سب ہیں شرک آلود.
اسی سے تو ہے ان کے سر پہ موجود.

---

[1] یعنی انگریز قوم. [2] یعنی مفلس مسلمان. [3] انگریزی: دیسی آدمی، دیسی قسم کی چیز.

کوئی ان میں سے ایسا خود غرض ہے،
کہ قومی بحث کو سمجھا مرض ہے!

غرض ذاتی تو اُس کی کردے پوری،
تو ہی منظور اُس کو سب سے دُوری۔

تو رہ بیدار اور مصروف جسٹس[۱]،
سمجھ لے بے اثر نیٹو کی گھس گھس!

ہندوؤں کے ساتھ ہو گئے

۴۹

گائے کا تو کچھ ٹھکانا بھائی گاندھی نے کیا؛
شیخ جی کا اونٹ کس کل بیٹھتا ہے دیکھیے!

دَیر میں ہنستے ہیں اب، کعبے میں برسوں رو لیے۔
شیخ جی کرتے ہی کیا؟ بابو کے پیچھے ہو لیے۔

۵۰

پیٹ کے واسطے پپیتا ہے، دل بڑھانے کو درسِ گیتا ہے۔

---

[۱] انگریزی: انصاف، عدل۔

ہند ہی میں دیا خدا نے مقام۔ بندہ اب دیر ہی میں جیتا ہے!

۵۲

اب شیخ جی مقیم برہمن کے پاس ہیں:
گائیں اچھل رہی ہیں، قسائی اداس ہیں!

۵۳

آب زمزم سے کہا میں نے "ملا گنگا سے کیوں؟
کیوں تری طینت میں ایسی ناتوانی آگئی؟"
وہ لگا کہنے کہ "حضرت آپ دیکھیں تو ذرا:
بند تھا شیشی میں، اب مجھ میں روانی آگئی!

۵۴

حامی ہوا جو گائے کا بےشک ذہین ہے!
سمجھا یہ دل میں گائے کے سرپر زمین ہے!

۵۵

مراد بھی ملی، ہمدرد بھی ہوئے مشہور شریک ماتم اکبر ہوئے، یہ خوب کیا۔

گاندھی کا ساتھ بغاوت نہیں ہے!

۵۶

نہ صاحب کو مارو، نہ صاحب سے بھاگو!

مچاتے رہو غل، پٹو اور مانگو!!

۵۷

کیوں نہ ہم ہو جائیں گاندھی کے وزیر؟
وہ نہ انور بے، نہ کابل کے امیر!
بلکہ ہیں تسبیح بھی، زنار بھی۔
قوم بھی خوش، مطمئن سرکار بھی!

۵۸

کہا بلبل نے "کیوں رہوں خاموش؟ پھر کہاں یہ زمانہ پاؤں گی؟
ذبح ہونے کی کوئی بات نہیں۔ رہا پھنسنا، تو دانہ پاؤں گی"!

۵۹

اگرچہ شیخ و برہمن اُن کے خلاف اس وقت اُبل رہے ہیں،
نگاہ تحقیق سے جو دیکھو، انھیں کے سانچے میں ڈھل رہے ہیں!

۶۰

وہ شیخ کی شیخی رہ نہ گئی، اسلام کو بُت کا رام کیا!
سرکار خفا کیوں ہونے لگی؟ گاندھی نے تو چوکھا کام کیا!
ٹھاکر کی زبردستی نہ رہی، دہقان کی وہ پستی نہ رہی!

سرکار کی بھی مرضی تھی یہی، گاندھی نے علاقہ خام کیا!

باہر کا کوئی بیٹھے نہ یہاں، افغان ہوں یا ہوں تُرک میاں۔[1]

مطلب تھا یہی، پھر گاندھی پر عائد یہ عبث الزام کیا!

افسوس تو ہے اُس قوت پر، اُس خواہش پر، اُس حالت پر،

یاروں کو لڑایا جس نے بہم، ہر صلح کو جنگ انجام کیا!

۶۱

گاندھی ہے گئو آدمی، وہ بُل[2] تو نہیں ہے۔

گجرات ہی کی بات ہے، کابُل تو نہیں ہے!

کچھ اس سے بھڑکنے کی ضرورت تو نہیں ہے۔

معنی ہوں خطرناک، وہ صورت تو نہیں ہے!

ترک موالات کی توجیہ

۶۲

اس انتشار قومی کا تجھ کو کیا گلا ہے؟

---

[1] یعنی مسلمان۔ صوبۂ متحدہ کے پوربی اضلاع میں غیر مسلم لوگ مسلمانوں کو عموماً تُرک یا مُلک کہتے ہیں۔ یہی حال کل صوبۂ مدراس، میسور اور انتہائے دکن کا ہے۔ پوربی اضلاع میں مسلمانوں کو "میاں" اور "میاں لوگ" بھی کہتے ہیں۔

[2] انگریزی: سانڈ، بیل۔

آندھی چلی ہی ایسی، ذروں کی کیا خطا ہی؟

۶۳

یہ جو ہنگامہ ہی جس کی ہر طرف تائید ہی:
آپ کی تعلیم ہی، اور آپ کی تقلید ہی!

مستحقانِ ادب کو آپ نے رسوا کیا،
آپ کے دعوی عظمت کی بھی اب تردید ہی!

مرگ کا خطرہ مبارک ہو انھیں جو زندہ ہیں،
ہم تو مُردہ ہیں، قیامت کی ہمیں اُمید ہی!

۶۴

شوخیِ غزب سے گھبرائی جو شرقی زندی،
بت نے انگڑائیاں لیں، دیر میں چونکی بندی!

لب پہ آیا یہ سخن: کیسی اٹھی ہی آندھی!
لہجۂ صبر و متانت میں یہ بولے گاندھی:

ذہنِ عالی سے ترشنے لگے قانون نئے،
عاجزی ہم کو سُجھانے لگی مضمون نئے۔

---

۱ کذا: دعوی۔

۶۵

ابھی تو آپ ہیں بجلی، اِدھر گرے اُدھر گرے۔
قریب ہی وہ زمانا کہ بھاگتے پھرتے۔
خیال نشو و نما ہی انھیں کے چنگل میں۔
تو بحث کیا ہے؟ اُسی مِل میں جائیے، چرتے!

۶۶

ہم تاجر ہوں تم نوکر ہو؛ اس بات پہ سب کی عقل ہے گُم!
انگریز کی تو خواہش ہے یہی: بازار میں ہم، دربار میں تُم!

۶۷

لاکھ سمجھاتا ہوں اس کو، مینر پر آ، چاہے پی۔
یہ عروس ہند اب تک کہہ رہی ہے: "ہائے پی!"

۶۸

جو شامِ فتنہ افق پر جہاں میں طاری ہے،
وہ سلسلہ ابھی قائم ہے، اور جاری ہے،
نتیجہ اس کا عیاں ہوگا چند روز کے بعد۔

لے انگریزی: کارخانہ۔

ظہور ساز بھی ہوگا وفورِ سوز کے بعد.

خدا کی یاد سے پُر نور جن کا ہے سینا،
سمجھ رہے ہیں کہ فطرت نہیں ہے نابینا!

۶۹

حُسن بھی ہے، زور بھی ہے، اور خوش اقبالی بھی ہے.
ہے مگر افسوس اس کا، ہر طرف گالی بھی ہے!

۷۰

ہر چند حالِ دنیا اس وقت منقلب ہے،
ایمان مطمئن ہے، اور کفر مضطرب ہے:
ظاہر پہ تم نہ جاؤ، ہے اعتبارِ باطن.
عقدہ مرے سخن کا کھُل جائے گا کسی دن!

۷۱

اُن کی دلچسپی کی خاطر غُل مچانا ہے ضرور، ہے یہ گستاخی، وہ چاہیں کھیلنا، تم چپ رہو.

۷۲

ڈاکٹر کہہ گئے ہرگز نہیں پھٹنے کا یہ پیٹ.
ساری دنیا کو وہ کہتے ہیں: نگل جائیں گے.
ہم وہ لقمہ ہیں کہ ہرگز نہ پچیں گے اُن ؟

ٹھنہ جو اس زعم میں مارا ہی، تو پچھتائیں گے!

۷۳

جو پوچھا "کیوں کمر اس منزلِ تاریک میں باندھی؟"
زبانِ حضرتِ شوکت سے بولے یا اثر گاندھی:
"مباش اے رہ نوردِ عشق فارغ از تپیدن ہا
کہ در آخر بجائی می رسد[۲] از خود رمیدن ہا!"

۷۴

مسلم کا میاں[۳] پن سوخت کرو، ہندو کی بھی ٹھکرائی نہ رہے!
بن جاؤ ہر اک کے باپ یہاں، دعوے کو کوئی بھائی نہ رہے!
ہم آپ کے فن کے گاہک ہوں، خدام ہمارے ہوں غائب.
سب کام مشینوں ہی سے چلے، دھوبی نہ رہے نائی نہ رہے!

۷۵

گاندھی کے ساتھیوں میں جو ہیں وہ نیک ہی ہیں.
"مہراج" اور "مہاجر" کے حرف ایک ہی ہیں.

۷۶

سن لو یہ بھید، ملک جو گاندھی کے ساتھ ہی:

[۱] و [۲] کذا. [۳] قطعہ ۶۰ کے تیسرے شعر پر نوٹ ملاحظہ ہو.

تم کیا ہو؟ صرف پیٹ ہو، وہ کیا ہے؟ ہاتھ ہے!

۷۷

دھوم ہے ترک موالات میں اور نام بھی ہے.
ساتھ صاحب کے مگر امن ہے آرام بھی ہے.
شیخ پر فیر بھی کرتے ہیں، نمازی بھی ہیں آپ.
مردِ کفر بھی ہے، رونق اسلام بھی ہے!

۷۸

کلیسا کے مقابل آج مشکل میرا جینا ہے،
کہ غیروں سے اُسے غُصّہ ہے، مجھ سے توکینا ہے!

۷۹

نہ مولانا میں لغزش ہے، نہ سازش کی ہے گاندھی نے.
چلایا ایک رُخ اُن کو فقط مغرب کی آندھی نے.

۸۰

اِسپیچ[1] سلکِ دُر تھی، اب آہن ہے پاؤں میں.
واں سو سُنار کی تھی، اِدھر اِک لُہار کی!

---

[1] انگریزی: تقریر.

۸۱

اس ترکِ موالات کے کیڑے، یہ پڑے کیوں؟
اتنا ہی بس اس کا جواب: آپ سڑے کیوں؟

۸۲

اینٹی[1] کانگرس کے ہوئے موجد سیّد[2]
خود گورمنٹ نے دی ان کو شکستِ جید۔
نظمِ بنگال کی تنسیخ ہوئی جب ظاہر،
تو علی گڑھ[3] بھی ہوا پولیٹکل بالآخر۔
اب بھی جو حکم ہو حاضر ہیں مسلمان غریب۔
لازمی بات ہے لیکن کہ ہوں ہندو سے قریب!
وضع و مذہب میں تو حضرت ہی نے ڈالا ہے خلل۔
شدنی تھا کہ وہ قانونِ ادب جائے بدل۔
ہوشیاروں میں تو اب سوز کہاں باقی ہے!

۱؎ انگریزی: یعنی انڈین نیشنل کانگرس کے "خلاف"۔ ۲؎ یعنی سر سید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ۔ ۳؎ یعنی علی گڑھ کا محمڈن اینگلو اوری انٹل کالج (یا اب اُس کی موجودہ صورت میں) مسلم یونی ورسٹی۔

چند مستوں میں فقط دل کا دھواں باقی ہے!

۸۳

رہوں میں محترز اس سے، بلاشک ہے یہ دانائی۔
مگر اس سوچ میں ہے دل، یہ حالت پیش کیوں آئی!

۸۴

تہذیب قدیم کے جب ارکان تھے چست۔
ملکی حالات سب رہے صاف و درست۔
تعلیم جدید نے کیا فتنہ بپا۔
اے بادِ صبا این ہمہ آوردۂ تست!

۸۵

مغربی تعلیم سے دل ایشیا کا ہے ملول۔
کر دیا خلقت کو اس نے بے تمیز و بے اصول۔
جو کرے اصلاح اس کی، مدح کا ہے مستحق۔
اور باتوں کو بہ ظاہر میں سمجھتا ہوں فضول۔

۸۶

لشکرِ گاندھی کو ہتھیاروں کی کچھ حاجت نہیں۔
ہاں مگر بے انتہا صبر و قناعت چاہیے!

۸۷

نئی روشنی کا ہوا تیل کم، حکومت نے اس سے کیا میل کم۔
ادھر مولوی کس مپرسی میں تھے: نہ آفس[1] میں تھے اور نہ کرسی میں تھے۔
یہ ٹھہری کہ آپس میں مل جائیے۔ سیاسی کمیٹی میں پل جائیے۔
اسی میل کا آج کل ہے ظہور۔
خدا جانے ظلمت ہے اس میں کہ نور!

۸۸

کیوں دلِ گاندھی سے صاحب کا ادب جاتا رہا؟
بولے: کیوں صاحب کے دل سے خوفِ رب جاتا رہا؟

عدم ترک موالات کی توجیہ

۸۹

آپ نے واپس نہ کیا کیوں خطاب؟
بیٹھے ہیں کیوں گوشے میں مغموم وست؟
کہنے لگے: اس کا اثر ہوگا کیا؟

---

[1] انگریزی: دفتر۔

نازبران کُن کہ خریدارِ تست!

۹۰

آپ کیوں اپنا خطاب اے خان واپس کیجیے!
خود انھیں سے کہیے: میری شان واپس کیجیے.
واپسی آنر[1] کی جھگڑا ختم کرسکتی نہیں.
لوگ کہتے ہیں: خدا کو جان واپس کیجیے.

۹۱

اک شیخِ حق اندیش سے یہ شعر سُنا کل،
جب چھاؤنی میں توپ دغی صبح کو تڑکے:
صاحب سے رہے مل کے، وہی خوب ہے نیٹو[2].
گھوڑا وہی اچھا ہے جو موٹر سے نہ بھڑکے!

۹۲

ان طریقوں سے امیدِ خیر کیا! رہ کے دریا میں مگر سے بیر کیا!

۹۳

یہی مرضی خدا کی تھی ہم اُن کے چارج میں آئے.

---

[1] انگریزی: عزت، اعزاز، خطاب. [2] انگریزی: دیسی آدمی.

سرِ تسلیم خم ہے، جو مزاجِ جارج[1] میں آئے.

۹۴

دے خار کوئی پھول تو اس سے اُلجھ پڑوں.
بدلی ہوی ہوا ہو تو موسم سے کیا لڑوں!

۹۵

کوچۂ سرِدبِس انگلش[2] میں رہے ہم ساکن.
جاہ و زر ہی کی تمنا میں کٹے زیست کے دن.

وعظِ گاندھی سے بدل سکتے ہیں کیوں کر باطن؟
"عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں، مومن!
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے!"

۹۶

جاہ و زر کے رہے انگلش[3] سے ہمیشہ طالب.
عہدِ پیری میں بدل سکتے ہیں کیوں کر قالب؟

---

۱. جارجِ پنجم یا (اور) ششم، شاہ انگلستان و شہنشاہ ہند کا نام.

۲. انگریزی: انگریزوں کی ملازمت، خدمت، چاکری.

۳. انگریزی: انگریز قوم.

مشتہر کردیں یہ ہمدم[1] میں جناب جالب[2].
زندگی بھر تو رہا عشقِ بتاں ہی غالب،
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے!"

۹۷

ہو جو تقویٰ کے سوا ترکِ موالات کچھ اور،
تو وہ اسلام نہیں ، بلکہ ہوی بات کچھ اور.
علما خوش ہوے سن کر یہ مرا شعر، اکبر!
ہاں مخالف نے کہا: "بکیے خرافات کچھ اور!"

۹۸

بس آپ ہی کیجیے اچھل کود. ہم سے یہ امید اب ہی بے سود.
تیزاب میں ہم تو گل چکے ہیں، ان کے سانچے میں ڈھل چکے ہیں!

۹۹

وعظ یہ کیسے اگر اصلاحِ نیشن[3] چاہیے:
نفس کی خواہش کو نن کو آپریشن[4] چاہیے!

---

[1] ایک اردو روزانہ اخبار کا نام، جو لکھنؤ سے شائع ہوتا ہی. [2] لکھنؤ کے مشہور اخبار ہمدم کے ایک مدیر کا تخلص. [3] انگریزی: قوم، ملت. [4] انگریزی: ترک موالات.

۱۰۰

میں ہوں نن[۱] کوآپریشن کے لیے تیارِ جست؛
تم تو لیکن انٹی[۲] نن کوآپریشن میں ہو مست.

وہ دلاتا ہی دلِ دیندار کو تقویٰ کی یاد.
انٹی نن کو آپریشن ہی مگر شر و فساد!

۱۰۱

ہم ہیں معذور، گھری میں ہیں دھرے.
عافیت میں خلل پڑا، تو مرے!

جس کو ہو زور خانہ جنگی کا،
وہ کرے سامنا فرنگی کا!

۱۰۲

بھائی گاندھی کی روش میں بہت امید نہیں.
ہی وہ دلچسپ، مگر وسعتِ تقلید نہیں.
بے پروائی و بے تعلقی

۱۰۳

پالیٹیکی[۳] جھگڑے چھوڑ دو
ان باتوں سے اب منہ موڑ دو.

---

۱ انگریزی: ترک موالات. ۲ انگریزی: ترک موالات کی مخالفت. ۳ انگریزی سے: سیاسی.

کیسے ڈائر[1]، کیسے ہنٹر[2] لاؤ ساغر، لاؤ گنڈ[3].

۱۰۴

دشمن ہیں سب، خدا ہی کی رحمت ہی جاں نواز.
دل کو لگا خدا ہی سے، لے اپنی آنکھ مُوند.
گولے تو ایرشپ[4] سے وہ برسا سکے بہت،
ٹپکا سکے نہ ابر سے پانی کی ایک بوند!

۱۰۵

ترجمہ آیت قرآں کا سناتا ہوں تمھیں.
جس میں ہو اس کی جگہ، دل وہ ہی سینا وہ ہی!

---

۱ ڈائر ایک انگریز کا نام تھا، جو اپریل مئی جون سنہ ۱۹۱۹ء میں پنجاب کے قانون فوجی (مارشل لا) کے عارضی دورِ حکومت میں لاہور کی چھاؤنی میں فوج کا افسرِ اعلیٰ اور حاکم مطلق تھا. اسی کے حکم سے امرتسر میں جلیاں والا باغ میں قتل عام کا وہ معرکہ ہوا تھا، جو آزادیِ ہند کی تاریخ میں ایک اہم واقعہ شمار ہوگا.

۲ ہنٹر ایک فرضی نام معلوم ہوتا ہی. انگریز لوگوں میں یہ نام عام ہی. اُردو میں یہ لفظ چابک اور کوڑے کے معنوں میں آتا ہی.

۳ انگریزی: مینائے شراب، شیشہ.

۴ انگریزی: ہوائی جہاز.

فقط اک لہو و لعب ہی یہ حیاتِ دنیا.
بعد مرنے کے جو پیش آے گا' جینا وہ ہی."

۱۰۶

عبرت کے ساتھ دیکھ تماشاے انقلاب.
مژدہ کہیں ہی اور کہیں "ہاے انقلاب"!

فانی جہان حشر کی منزل میں ہی رواں.
کس طرح طے ہو یہ' جو نہ ہو پاے انقلاب.

ہر رنگ میں جسے نظر آتی ہی شانِ حق'
بارغِ جہاں میں کیا اسے پرواے انقلاب!

امید رکھ خدا سے' عبادت سے مُنہ نہ موڑ.

---

۱ قرآن مجید میں سورۂ عنکبوت' آیت ۶۴ میں ارشاد ہی کہ "یہ اس وقت کی زندگی سوا کھیل اور جی بہلاوے کے اور کچھ بھی نہیں' اور اس کے بعد جو زندگی ہوگی اصلی زندگی تو وہ ہی' اگر یہ (کافر) لوگ جانتے ہوتے (تو یہ سب غلط کاریاں نہ کرتے)". اسی طرح سورۂ انعام' آیت ۳۲ میں ہی: "یہ اس وقت کی زندگی سوا کھیل اور جی بہلاوے کے اور کچھ بھی نہیں. اور جو لوگ برائیوں سے بچتے ہیں ان کے لیے تو اب بعد میں آنے والی زندگی ہی بہتر ہی. کیا تم لوگ سوچتے سمجھتے نہیں ہو!" پھر سورۂ محمدؐ' آیت ۳۶' اور سورۂ حدید' آیت ۲۰ میں بھی وقت حاضر کی زندگی کو محض کھیل کود اور جی بہلاوا کہا گیا ہی.

رنگ زمانہ کچھ ہی ہو، لاکھ آے انقلاب!

۱۰۷

مرد مسلم ہی اگر صبر کو کھونے کا نہیں.
کفر سے طالب عزت کبھی ہونے کا نہیں!

۱۰۸

ارماں بقدر طاقت ہر سُو نکل رہے ہیں!
صاحب تو اُڑ رہے ہیں، اور ہم اُچھل رہے ہیں!

۱۰۹

جُھکا ہوا ہوں میں سوے مشرق، اُدھر وہ مغرب میں تن رہا ہی.
مرا فسانہ ہوا پُرانا، اب اس کا افسانہ بن رہا ہی!
نہیں ہی اب دُور وقت آخر، حضوری حق میں رہ تو حاضر.
اِن انقلابوں سے ہو نہ بیدل، یہی فلک کا چلن رہا ہی!

۱۱۰

مل نہ سکتی ممبری تو جیل ہی کو جھیلتا.
بے سکت ہوں، ورنہ کوئی کھیل میں بھی کھیلتا.

۱۱۱

انقلابوں کو سمجھ حشر کی تمہید فقط: ہی یہ ترکیب فسادات کی تجدید فقط.

۱۱۲

حضرتِ عیسٰی ہی کی آمد کا یہ سامان ہی.
کوئی گھبرایا کرے، مجھ کو تو اطمینان ہی.

۱۱۳

کیوں گیس کے ساتھ اُڑیے، گوبر کی طرح لیپیے.
دونوں ہی میں زحمت ہی، للہ کہیں چھپیے.

۱۱۴

ملو گاندھی سے اے اکبر! اگر سرکوں یہ جی چاہو.
جھکو سلطان کے آگے، اگر فرمانِ رَی[1] چاہو.
شریک بزم رندِ عافیت جو آکے ہو جاؤ،
اگر ہو ذوقِ مستی اور دورِ جامِ مے چاہو.

۱۱۵

اُدھر بپھرے ہوے صاحب ہیں، اور زورِ ہوائی ہی؛
اِدھر روٹھے ہوے گاندھی ہیں، شکوہ اور ڈھٹائی ہی.

---

[1] اس مرکب میں رَی ایران کے ایک شہر کا نام ہی. "فرمانِ رَی" سے مُراد حکومت، بادشاہی، سلطنت سے ہی.

جو ہر کو چپ رہے تھے "تنگ ہیں وہ ان بکھیڑوں سے.
کدھر فریاد کو جائیں، خدا ہی کی دُہائی ہے.

۱۱۶

نہ گاندھی کی رفاقت ہے، نہ صاحب سے توسّل ہے.
فلک کو دیکھتا ہوں، بس خدا ہی پر توکّل ہے.
جو عاقل ہے وہ موقع کے مطابق کام کرتا ہے.
ہوا میں ہے تو شاہیں ہے، قفس میں ہے تو بلبل ہے.

۱۱۷

خدا خدا کرو خاموشی وادب کے ساتھ.
فضول حجت مناسب نہیں ہے سب کے ساتھ.

۱۱۸

ادھر عزیمت گاندھی کی مشرقی کو تلاش،
اُدھر جلالت مغرب ہوا میں ہے، بم پاش.
کہیں یہ شکوہ کہ انعام میں نہاں ہے فریب؛
کہیں یہ غصہ کہ شور وفغاں ہے سمع خراش.
کہیں یہ طعن کہ یہ سامری ہے گاؤ پرست؛
کہیں یہ شبہہ کہ خربز کی کھائے گا یہ قاش.

کہیں یہ زجر کہ مشرک سے ارتباط عبث؛
کسی پہ قہر کہ غیرت ہی نذرِ فکرِ معاش۔

کہیں یہ وسوسہ، بنیادِ تخت سست نہ ہو؛
کہیں یہ خطرہ کہ گرنے لگے نہ لاش پہ لاش۔

کہیں یہ فیصلہ، یہ سب ہیں ملک و قوم فروش؛
کہیں یہ قول کہ یہ سب ہیں رند اور اوباش۔

جدھر اُٹھائیں نظر، ان میں ہی عیاں باہم:
عناد و غیبت و توہین و کینہ و پرخاش۔

تغیراتِ جہاں کون روک سکتا ہے۔
ہر ایک پائے گا اعمالِ زشت کی پاداش۔

فضول رائے کے اظہار میں جو ہیں سرگرم،
یہ شعر صائب انھیں خامشی سکھائے کاش!

تمیزِ نیک و بدِ روزگار کارِ تو نیست۔
چو چشمِ آئینہ در خوب و زشت حیران باش۔

ا؎ یہ شعر فارسی زبان کے مشہور و معروف ایرانی شاعر میرزا محمد علی صائب (متوفی سنہ ۱۰۸۰ھ = ۱۶۷۷ء) کی اس غزل کا شعر ہے جس کا مطلع ہے:

زخارزارِ تعلق کشیدہ دامان باش	بہ ہر چہ می گذرد دل ازان گریزان باش

۱۱۹

ہم کو اس سے کچھ نہ مطلب ہی' نہ قیل وقال ہی.
ان کے سر پر یہ انھیں کی شامتِ اعمال ہی.

۱۲۰

تجربہ ترکِ تعاون کا کریں یہ نونہال؛
گور میں جو پاؤں لٹکائے ہوے ہیں' اُن کو کیا!
خاتمہ بالخیر ہی اُن کا پُرانے راگ پر.
وہ کہاں پائیں نئے سُر' اور کریں اِس دُھن کو کیا!

۱۲۱

تم رہو للہ ان ناپاک جھگڑوں سے الگ.
تم کو کیا مطلب ہی ان سے' لحم خردنداں سگ.

۱۲۲

صاحب سے رُکے' تو راحتوں کو ترسے. شوکت سے اگر پھرے' تو لعنت برسے.
بہتر ہی کہ پڑ رہو توکل بہ خدا! باہر رکھو قدم نہ اپنے گھر سے.

۱۲۳

اثر دَورِ فلک کا پڑ رہا ہی جو زمانے پر'
تمھارے یہ رزولیوشن اُسے کم کر نہیں سکتے!

کریں گے وہ ترقی ہم، جو ہی ذاتی و روحانی.
تمھارے ساتھ اس ذلت کا ماتم کر نہیں سکتے!

۱۲۴

ہزاروں ہی طریقوں سے ہم انگریزوں کو گھیرے ہیں.
طواف اُن کے گھروں کا ہی، اُنھیں سڑکوں کے پھیرے ہیں.

سواری ہی اُنھیں کی، راہ اُن کی اور ڈاک اُن کی.
اُنھیں کی فوج ہی، اُن کی پلِس[1] ہی اور تاک اُن کی!

ہوا میں ایر شپ[2] اُن کے، سمندر میں جہاز اُن کے.
عمل ہم میں کیا کرتے ہیں نا معلوم راز اُن کے!

علوم اُن کے، زباں اُن کی، پرِیس[3] اُن کے، لُغات اُن کے.
ہماری زندگی کے سارے اجزا پر ہیں ہات اُن کے!

بہت ایسے ہیں جو ترکِ تعاون کے بھی قائل ہیں.
مگر اونچے جو ہیں، اکثر طرف انگلش[4] کے مائل ہیں.
فقط ضد ہی جو کہتی ہی کہ "جب اپنی زباں کھولو،

---

[1] یعنی پولیس. [2] انگریزی: ہوائی جہاز. [3] انگریزی: پریس: اخبار اور رسائل اور اُن کے ذریعے خیالات کی اشاعت. [4] یعنی انگریزی زبان، انگریز قوم.

"ہمارے پیشوائے ملک' گاندھی جی' کی جَے بولو!"

قرائن کہہ رہے ہیں' آرہا ہے دور فتنوں کا.
ہوائیں وہ چلیں گی' نقش مٹ جائے گا کتنوں کا!
کسی کی چل سکے گی کیا' اگر قرب قیامت ہے.
مگر اس وقت ادھر چرخا' اُدھر اُن کی وزارت ہے!

۱۲۵

اُن میں نہ رنگ درویش ۱' اُن میں شان شاہی. گالی ہے اور زنداں' چرخا ہے اور انجن!

ظرافت

۱۲۶

مولوی جیل میں بننے کو جو مونچھ اٹھتا ہے' گنبدِ چرخ مری آہ سے گونج اٹھتا ہے!

۱۲۷

بھائی مسلم رنگ گردوں دیکھ کر جاگے تو ہیں.
خیر ہو قبلے کی' لندن کی طرف بھاگے تو ہیں!

۱۔ یہ درویش کی مخفف صورت ہے.

کہتے ہیں بت: دیکھیں کیسا رہتا ہی اُن کا سبھاؤ؛
ہار کر سب سے میاں ہمرے گلے لاگے تو ہیں!

۱۲۸

اٹھے ہیں غربی ساتا روہن لیکو، پیئرو، دوڑ دموہن!

۱۲۹

حکام ہیں خزانہ و توپ و رفل کے ساتھ.
خُدام ہیں شگوفۂ ترک عمل کے ساتھ.

بازو میں یاں نہ زور، گلے میں نہ شوق شور:
ہم تو شاعرے میں ہیں اپنی غزل کے ساتھ.

۱۳۰

انڈیا نے کمر تو باندھی ہی. کوئی شوکت ہی، کوئی گاندھی ہی!
لیکن اب بھی بہت سے ہیں اڑیل صرف پشنک ہی اور گاندھی ہی!

۱۳۱

مرزا غالب بہت ہی گنگو و (ننکو[1] پہ ریشن) کا.

---

[1] مصنف نے اسی طرح ان تینوں لفظوں کو قوسین میں لکھا ہی. گنگو اور ننکو ادنیٰ درجے اور جات کے ہندوستانیوں کے مثالی نام ہیں. انگریزی لفظ "ریشن" سے غالباً "ریزن" یعنی عقل، عقلیت مراد ہی. ان قوسین سے گھرے ہوے الفاظ کا لُطف دوسرا مصرع پڑھنے سے معلوم ہوتا ہی.

یہ مشکل ہے اثر ان پر ہو نن کو آپریشن کا!

۱۳۲

مذہب واپس، خیالِ جنّت واپس. مسجد کا وہ حق، وہ نذر و دعوت واپس.
حضرت نے یہ صاف کہہ دیا اب کہ "یہ کرنے کا نہیں خطاب و خلعت واپس!"

۱۳۳

ہندو و مسلم ہیں حیراں دونوں اغربی دَور میں.
شوخیِ اطفالِ خود سر قابلِ اظہار نیست!

جب بلایا ختنے کو، لڑکا یہ کہہ کر چل دیا:
کافرِ عشقم، مسلمانی مرا درکار نیست!"

جب جنیئو کو بلایا، طفلِ ہندو بول اٹھا:
ہر رگِ من تار گشتہ، حاجتِ زنّار نیست"!

ہے بلاشک قابلِ اصلاح تعلیمی نظام.
اعتراضِ معترض مستوجبِ انکار نیست.

۱۳۴

مشتبہ تیری دعا کا اثر اے اکبر ہے! رزولیوشن کے پٹاخے سے مگر بہتر ہے!

۱۳۵

پتلون کے بٹن سے دھوتی کا پیچ اچھا. دونوں سے وہ، جو سمجھے دنیا کو ہیچ، اچھا!

۱۳۶

بھائی گاندھی کا نہایت ہی مقدس کام ہی۔

رامپوری[1] ساتھ ہیں، اور رام ہی کا نام ہی۔

۱۳۷

نہ چھوڑو بھائی گاندھی کی حضوری! کھلا ہی دیں گے تم کو رام پوری![2]

۱۳۸

نام میں گاندھی کے ہی دلچسپ صنعت یہ نہاں،

اَن بھی اس میں، گائے بھی اس میں، دہی بھی گھی بھی ہی۔

۱۳۹

کہا گاندھی سے کہ " موزوں نہیں یہ آپ کا کام"

ہنس کے بولے کہ " مقفیٰ ہی صریحاً یہ نظام"

آپ کا زور تو جنگی نئے آلات میں ہی۔

---

[1] یعنی مولانا محمد علی اور ان کے برادر بزرگوار شوکت علی (رحمہما اللہ) جن کا وطن رامپور تھا۔ اس مصرعے کے آخری الفاظ میں غالباً اس امر کی طرف اشارہ ہی کہ یہ دونوں برادران بزرگ بہت عرصے تک گاندھی جی کے معتقد اور انڈین نیشنل کانگرس میں شریک رہے تھے۔

[2] مسودے میں اس فرد کے بعد پھر وہی قطعہ درج ہی جو اوپر شمار ۳، میں نقل ہوا، اس لیے یہاں اسے ترک کیا گیا۔

قافیہ اس کا فقط "ترک موالات" میں ہی.

۱۴۰

طب دہلی کی مدد سے بت کی صحت بڑھ گئی.
قدرتِ باری سے بت خانے کی شوکت بڑھ گئی.

ڈنڈوت جب شیخ صاحب نے بھی کی پیشِ صنم،
گاندھی آندھی ہو گئے، چیلوں کی ہمت بڑھ گئی.
آکسن[۱] بھائی نے قربانی تعصب کی جو کی.
جان بُل[۲] چپ ہو گئے، گایوں کی وقعت بڑھ گئی.

۱۴۱

بدھو کا لفظ تھا فقط اک مصلحت کی بات. دل میں مرے نہاں جو ہی میرے جی کی بات.

۱؎ اس سے مولانا محمد علی مراد ہیں، جو انگلستان کی آکس فرڈ یونی ورسٹی کے طالب علم ہونے کے سبب سے وہاں کے دستور کے مطابق "آکسن" کہلاتے تھے. انگریزی طرز املا میں اس تلفظ کے دو ہجے ممکن ہیں: (۱) حروف او، اکس، او، این سے، جو آکس فرڈ یونی ورسٹی کے طلبہ کا خطاب ہی؛ (۲) او، اکس، ای، این سے، جو انگریزی لفظ "آکس" (یعنی بیل)، کی جمع کی صورت ہی. آکسن بھائی کا لُطف ظاہر ہی.

۲؎ یہ انگریزوں کی اصطلاح میں انگریز قوم کا خطاب ہی؛ انگریزی میں بُل سانڈ کے معنی میں آتا ہی.

۱۴۲

یہ جماعت دیکھیے، یہ ڈھول تاشا دیکھیے.
دوڑنا یاروں کا ایسا بے تحاشا دیکھیے.
آپ نے طاقت کی تو جولانیاں دیکھیں بہت،
ضعف کے ہیجان کا بھی اب تماشا دیکھیے!

۱۴۳

جی ہو تمھاری، اے مرے گاندھی مہاتما!
آ گئے تمھارے رنگ کسی کا نہیں جما.
چورن کو کیا ضرور پپرمنٹ[1] کی مدد؟!
لینے کے تم نہیں ہو گورنمنٹ کی مدد.

۱۴۴

سوراج آپ کے احباب نے پایا جو، اے حضرت!
تو یہ فرمائیے پھر کیا کرے گی آپ کی ملت؟
وہ بولے مصر تک انگریز ہوں گے ہم سفر اپنے.
وہ چل دیں گے وہاں سے سوئے لندن اور ہم مکے

۱۴۵

عہدہ واپس، خطاب واپس.
ہر چیز ہو اے جناب! واپس.

---

[1] انگریزی: پودینے کا ست، جوہر پودینہ، روغن پودینہ.

آخر یہ نہیں ہی جس کا قبضہ، وہ بھی کہتا ہی بے محابا:
”غصّے کو کروں میں ضبط تا چند.. واپس پتلون، لاؤ نہ بند.
رکھوں گالوں کو کیوں صفاچٹ؟ واپس لوں گا میں ریش جھٹ پٹ.
ہوگی وہی دل نواز اپنی؛ واپس لوں گا نماز اپنی!“
کینے موڑ سے بڑھ رہے ہیں. لالہ پھر رتھ پہ چڑھ رہے ہیں.
بیوی بھی خدا سے اب ڈریں گی. واپس بے پردگی کریں گی.
بہتر ہی نہ دیکھو بیش یا پس اللہ کو کر دو جان واپس.
جب تک ہی تمھارے جسم میں جان لپٹا ہی رہے گا تم سے شیطان!

۱۴۶

پاؤں میں اُن کے تم نے زنجیر کیوں نہ باندھی؟
بولے کہ ”شیخ بن کر اٹھّے نہیں ہیں گاندھی.“

۱۴۷

رات تن کو آرایش کی جو اُس نے ٹھان لی،
ہوگیا لاچار میں، آخر رزائی[لہ] تان لی!

لہ جناب مصنف نے یہاں مسودے میں اس لفظ کو رزائی اور رضائی دونوں طرح اوپر تلے لکھا ہی؛ گو اس لفظ کو عموماً ضؔ سے لکھا جاتا ہی.

۱۴۸

افلاک ابر شب پہ، زمیں سر پہ گاؤ کے
افسوس شیخ جی کا ٹھکانا کہیں نہیں!

۱۴۹

پر ہو تو اوج دیکھو، خر ہو تو گھاس دیکھو۔
ہم کیا سمجھائیں تم کو، اپنی نکاس دیکھو!

۱۵۰

پوچھتا ہوں "آپ گاندھی کو پکڑتے کیوں نہیں؟"
کہتے ہیں "آپس ہی میں تم لوگ لڑتے کیوں نہیں؟"
پیچ قسمت کے تمہارے جب دکھائیں گے کجی،
عادلانہ رنگ میں اٹھ کر کریں گے ہم ججی!

۱۵۱

ایک شوکت اور ضیاء الدین[۱] وضع و خو میں ہیں۔
فرق اتنا ہی ہے، وہ جنگل میں ہیں، یہ زو[۲] میں ہیں۔

۱؎ یعنی لفٹنٹ کرنل ڈاکٹر ضیاء الدین، علی گڑھ کالج اور مسلم یونی ورسٹی کے نامور پروفیسر اور وائس چانسلر اور صوبۂ متحدہ کی آئینی مجلسوں کے رکن، وغیرہ۔ آپ نائٹ کے شاہی خطاب کی وجہ سے "سر" سے بھی مخاطب تھے، مگر اب اگست سنہ ۱۹۴۶ء کے اواخر میں آپ نے ہندی مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ کار گذار مجلس کے حکم و ایماء کے مطابق یہ خطاب ترک کر دیا ہے۔ ۲؎ انگریزی: چڑیا گھر، جانوروں کا عجائب خانہ۔

۱۵۲

رکھے اللہ آپ کا گاندھی کا جوڑا برقرار:
آپ کے ہوں خان ساماں، اور اُن کے ہوں کہار.

۱۵۳

کہتے ہیں کہیں ترکِ موالات ہمارے[1]
جان ان کی کہیں ترکِ موالات ہمارے!

۱۵۴

چپ ہیں وہ جو سمجھنے والے ہیں.
منہ سے الفاظ کچھ نکالے ہیں.
لالہ صاحب تو دیکھے بھالے ہیں.
شیخ جی کو ذرا گھلانا ہے،

۱۵۵

اب جو صاحب لوگ مرتے ہیں، تو کہتے ہیں یہ بات:
"عاقبت جو کچھ بھی ہو، صاحب سے تو پیچھا چھُٹا!"

۱۵۶

نہیں ہرگز مناسب پیش بینی دورِ گاندھی میں.
جو چلتا ہے تو آنکھیں بند کر لیتا ہے آندھی میں.

---

[1] اس مصرعے میں یہ لفظ دو نہیں بلکہ تین ہیں: تُرک، مُوا، لات. تُرک سے مسلمان آدمی مراد ہے (ملاحظہ ہو قطعہ ۶۰ میں ترک میاں). صنعت تجنیس کا یہ استعمال تعریف سے بہت بلند اور مستغنی ہے.

۱۵۷

بت بن گئے خود شیخ' تو گاندھی سے لڑے کون؟
صاحب ہی ہیں خاموش' تو آفت میں پڑے کون!
ٹٹو ہیں' ترقی کے رسالے کے ہیں داغی.
اور ایڑ بھی آنر[1] کا ہے' پھر کیسے اڑے کون؟

۱۵۸

نہ ٹمٹم ہے' نہ موٹر ہے' نہ گھوڑا ہے' نہ ہاتھی ہے.
نمود اُن کو مبارک' بندہ تو چھکڑے کا ساتھی ہے.

۱۵۹

گاندھی تو ہمارا بھولا ہے' اور شیخ نے بدلا چولا ہے.
دیکھو تو خدا کیا کرتا ہے' صاحب نے بھی دفتر کھولا ہے.
آنر کی پہیلی بوجھی ہے' ہر اک کو تعلی سوجھی ہے.
جو چوکر تھا وہ سوجی ہے' جو ماشا تھا وہ تولا ہے.
یاروں میں رقم اب کٹتی ہے' اس وقت حکومت بٹتی ہے.
کمپو سے تو ظلمت ہٹتی ہے' بے نور محلہ ٹولا ہے!

---

[1] انگریزی: عزت، اعزاز؛ خطاب.

۱۶۰

سب لوگ کہہ رہے ہیں کہ دیندار بھوت ہے۔
عامل کے واسطے بھی محلِ سکوت[۱] ہے۔

۱۶۱

نہ گرد ہم پہ بابِ آفت وا۔ پوچھتے کیا ہو ہم سے تم فتویٰ؟
چرخ چرخا بھی دے اگر گنوا۔ اتنا کہتے ہیں رشتہ ملک سے ہو،

۱۶۲

نابدان اپنا دیکھیں لائڈ[۲] جارج بمچھروں پر کہاں تلک یہ چارج!

۱۔ یہاں اس مصرعے سے متعلق جناب مصنف نے توسین میں لکھا ہے: (گورنمنٹ گاندھی کو نہیں پکڑتی)۔ اس تشریح سے شعر کے معنی بخوبی واضح ہو جاتے ہیں۔ عامل، عربی اصطلاح میں گورنر، حاکم صوبہ کو کہتے ہیں۔ بھوت اور عامل کا تعلق بھی ظاہر ہے۔

۲۔ اس انگریز کا پورا نام ڈیوڈ لائڈ جارج تھا۔ وہ جنوری سنہ ۱۸۶۳ء میں پیدا ہوا، اور سنہ ۱۹۴۵ء میں اس دنیا سے سدھارا۔ وکالت کا پیشہ کرتا تھا۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں پہلی مرتبہ انگلستان کی پارلیمنٹ کا رکن منتخب ہوا، اور ہوتے ہوتے سنہ ۱۹۱۶ء میں ملک کا وزیر اعظم ہو گیا۔ سنہ ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۹ء تک کی پہلی جنگ عظیم اور انگریزوں کی فتح میں اُسے بہت زبردست دخل حاصل تھا۔ جنگ کے بعد وہ وزارت عظمیٰ کے عہدے سے الگ ہوا۔ ہند اور اہل ہند کے حق میں نہایت سنگدل تھا۔

۱۶۳

طبع گاندھی و گورنمنٹ کو برہم نہ کرو.
ہاتھاپائی ہی شبِ وصل کی، کچھ غم نہ کرو!

۱۶۴

مے فروشی کو تو روکوں گا، میں باغی ہی سہی.
سرخ پانی سے ہی بہتر مجھے کالا پانی!

۱۶۵

بتِ خودبیں نے نیت کی ہی مجھ سے بے وفائی کی.
ترنگ آئی ہی اس کے دل میں بھی گاندھی ادائی کی.

۱۶۶

کیا طلب جو سواراج بھائی گاندھی نے بہ مجی یہ دھوم کہ ایسے خیالات کی کیا بات!
کمال پیار سے انگریز نے کہا اُن سے: ہمیں تمھارے ہیں، پھر ملک و مال کی کیا بات!

۱۶۷

تیغ زباں کی دیکھو ہر سو برہنگی ہی.
بابو کے حوصلے ہیں، صاحب کی دل لگی ہی.

۱۶۸

شبِ وصال میں گاندھی کا وعظ آفت ہی.

یہ حکم ہے کہ نہ بڑھیے مساس کی حد سے.

ہر اک کی رگ میں نہیں ہے سکونِ رُوحانی.

یہ ضبط سہل نہیں، جذبۂ مجرّد سے.

نگاہ دُور ہی رکھو، خیال کافی ہے.

بجز فساد کے حاصل نہیں کچھ اس کد سے.

۱۶۹

گاندھی سے کیوں ہو وحشت، باطن کی مسٹری[1] ہے.

شوکت سے کیوں نہ کھٹکیں، اُن کی تو ہسٹری[2] ہے!

۱۷۰

جی کی بھی صدا اٹھے گی چرخے بھی چلیں گے: لیکن یہ سمجھ لیجیے صاحب نہ ٹلیں گے!

۱۷۱

ہے سلطنت کی خواہش، لکچر[3] میں تن رہے ہیں!

صاحب بنا رہے ہیں، ہم لوگ بن رہے ہیں!

---

۱ انگریزی: بھید، راز. ۲ انگریزی: تاریخ. ۳ انگریزی: تقریر، وعظ؛ حد سبق، درس.

۱۷۲

گاندھی نے مان لی ہی مدن موہنی[1] صلاح.   ہندی تو تھے ہی، اب مدنی بھی وہ ہو گئے!

۱۷۳

حضرتِ گاندھی پھرے ہیں شملۂ پُرنُور سے.
واپسی موسٰی کی یاد آئی ہی کوہِ طُور سے.
مشتہر[2] اخبار میں کر دیں اسی مضموں کو گوج.
اور بندوں کو بھی حاصل ہونے والا ہی عروج.

۱۷۴

ڈیڈھ جب حد سے سوا یہ نن کو اپرو ہو گئے.
چپ ہوئے چنتامنی[3]، خاموش سپرو[4] ہو گئے.

---

[1] منسوب بہ مدن موہن مالویہ. مالویہ جی ہمارے ملک کے مشہور و معروف رہنما اور توصیف سے مستغنی بزرگ ہیں. دوسرے مصرعے کے لفظ "مدنی" میں مدن موہن اور مدینۂ طیبہ سے نسبت کے جو دو معنی پیدا ہیں، ان کا کمال لطف عیاں ہی. [2] یہ لفظ یوں ہی لکھا ہی. معنی؟ [3] سری وائی چنتامنی، جو عرصے تک الہ آباد کے انگریزی اخبار لیڈر کے مدیر رہے، اور ایک زمانے میں صوبۂ متحدہ کی حکومت میں وزیرِ تعلیم بھی رہ چکے تھے. سنہ ۱۹۴۲ء انتقال کیا. [4] یعنی رائٹ آنریبل سر تیج بہادر سپرو الہ آبادی بالقابہ (سلّمہ اللہ)

۱۷۵

منطق بتانِ ہند میں بیکار ہی جناب. آزکی چاٹ دیجیے، بس جائیں یہ بدل.
اظہار عشق سے نہ پسیجیں گی بائی جی. ان سے مساس کیجیے، جائیں گی یہ پگھل.

۱۷۶

نہیں کہتا کہ چھوڑو شغل ملکی دردمندی کا.
بس اک نظارہ کرلو آکے شملہ کی بلندی کا!

۱۷۷

اظہارِ جوشِ طبع میں وقت اپنا کھو چکے.
اونگھے جناب شیخ بھی، گاندھی بھی ہو چکے.
پنڈت سکھائیں بیچ میں پڑکے تو کیا کریں.
کابُل کے بُلٹ سے گائے جو بھڑکے تو کیا کریں؟
صاحب کا بھی بھلا ہو کہ مامَن سُجھا دیا.
پنڈت کا بھی بھلا ہو کہ شعلہ بُجھا دیا.

۱۷۸

برائے ما بہ سر تخت خویش جا کردی. دلِ حریص مرا غافل از خدا کردی.

سے انگریزی: سانڈ.

مراست نازو تبختر کہ زر بدست آمد ترا است خندہ و بازی کہ خر بدست آمد۔

۱۷۹

نمبری گز لیجیے، گاندھی کا چرخا لیجیے۔
کیجیے برگڈ سے ہجرت، مجھ سے خرچا لیجیے۔

۱۸۰

اے خدا! مجھ کو کر دے صاحب لوگ۔ دُور ہو مجھ سے اس جنم کا روگ۔
میرا قالب ہو قالب غربی بھول جاؤں زبان بھی اپنی۔
رنگ چہرے کا میرے جائے بدل کروں ایجاد میں بھی توپ و رفل۔
سو کے اُٹھوں جو آج صبح کو مَیں،
لوگ سمجھیں کہ لاٹ صاحب ہیں!

۱۸۱

انقلاب آیا[۲]، نئی دنیا نیا ہنگامہ ہے۔
شاہ نامہ ہو چکا، اب دَورِ گاندھی نامہ ہے۔

---

[۱] انگریزی: فوج کا دستہ جس میں کم و بیش چھ سو سپاہی ہوتے ہیں۔ اکبر کے کلام میں اس سے مجازاً انگریزیت یا انگریزی تہذیب اور طرزِ زندگی مراد ہوتی ہے۔

[۲] یہ وہی شعر ہے جو اس مجموعے کے شروع میں بطور لوح درج ہے۔

۱۸۲

جو امن سبھا کی پریاں ہیں، وہ پختہ روش ہیں خام نہیں.
دیووں ہی سے مطلب رکھتی ہیں، اُن کو طلب گلفام نہیں.
اس دَور میں اپنے کمرے میں قانع رہو تم اک بوتل پر.
ساقی وہ نہیں، وہ بادہ نہیں، وہ بزم نہیں، وہ جام نہیں!

۱۸۳

حکّام سے نیاز، نہ گاندھی سے ربط ہی؛
اکبر کو صرف نظم مضامیں کا خبط ہی!
ہنستا نہیں وہ دیکھ کے اس کو دبھاند کو.
دل میں تو قہقہے ہیں، مگر لب پہ ضبط ہی.

۱۸۴

جو ہیں ماتوی اور شوکت میاں لگے کرنے آپس میں سرگوشیاں.
جدا جب ہوے اور ملے بزم میں، تو پایا گیا یہ دلی عزم میں:
وہ بولے کہ "کابُل سے ہو گا گزند. کریں گے ہم انگریز ہی کو پسند".
یہ بولے کہ "ہندو کا ہو گا جورُل[1] ہم انگریز ہی کو کریں گے قبول"!

---

[1] انگریزی: حکومت، راج.

یہ تھا اُن کے آپس میں کچھ اس سے رنج یہ پڑھنے لگے ہو کے وہ نغمہ سنج:

کریما[۱]! بخشائے بر حالِ ما.

کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا!

۱۸۵

سچ یہ ہی کہ یاروں نے بڑے زور لگائے.

سوتی ہوی قسمت کو مگر کون جگائے!

گُم ایک ہی جھونکے میں گل وسرو وصنوبر.

دُم گاے کی واں ہل گئی، اور پھر وہی گوبر!

۱۸۶

گاندھی اور مالوی[۲] ہیں گو یکدل، اختلافات کچھ ہوے ظاہر.

مختلف ناپ کے ہیں دونوں سرے. گاؤ دُم ہو کے رہ گئے آخر!

۱۸۷

خوانِ قبول پر ہیں یہ دونوں چُنے ہوے؛

دونوں ہی کے جناب معظم کفیل ہیں.

---

[۱] یہ فارسی کے منظوم رسالے "کریما" (منسوب بہ سعدی شیرازی) کا مشہور ومعروف پہلا شعر ہی. [۲] یعنی پنڈت مدن موہن مالویہ.

ہاں ایک کو زیادہ چبانا ضرور ہی.
پیسی ہی زود ہضم، کلیجے ثقیل ہیں.

۱۸۸

کہا اُن کے بہرے[1] نے گو ہوں شریک خیالات میں بابا گاندھی کے ساتھ؛
میں سمجھوں گا، لیکن، یہی ہوم رول[2] تعلق جو ہو جاے آیا کے ساتھ"

۱۸۹

اس وقت شیخ جی کو گاندھی سے میل سوجھا.
صاحب نے روک چاہی اُن کو بھی کھیل سُوجھا.
دونوں نے آخر اپنی اپنی نکاس دیکھی.
اسکیم اِن کو سوجھی، اور اُن کو جیل سُوجھا.

۱۹۰

بھائی گاندھی لے کے بیٹھیں شرحِ معقولاتِ ہند؛
سب کے حصے میں رہیں گے پھر بھی ماگولاتِ ہند.
شرک پھیلا ہو جہاں لازم ہی اک سرکوب بھی.

---

[1] یہ انگریزی لفظ بیرا کی اُردو صورت ہی، بمعنی حامل؛ نوکر، ہرکارہ" [2] انگریزی: لفظی معنی، خانگی حکومت، یعنی اپنی ملکی حکومت، اپنوں کی حکومت.

مدتوں سے ہے یہی ازجملہ معمولاتِ ہند!

۱۹۱

مرغ کیوں کر بنے گا بلّا؟ ایسا جو کہے وہ ہے چبلّا۔
ہرگز نہیں باز بھائی کلّو۔ ہُدہُد کو بنا دیا ہے اُلّو!

دھوتی ارماں نکالتی ہے:
پتلون پہ پیچ ڈالتی ہے!

۱۹۲

بھائی گاندھی خودسری کی آرزو کے ساتھ ہیں؛
اور صاحب لوگ غربی رنگ و بُو کے ساتھ ہیں۔
مالویؔ جی سب سے بہتر ہیں مری دانست میں۔
یعنی مندر میں ہیں، اور اپنی گئو کے ساتھ ہیں!

۱۹۳

بھائی گاندھی نے ملک سے جی لی۔ لاٹ صاحب کی پالسی[۱] پھیلی۔
تھے جو چلتے ہوئے وہ رک ہی گئے۔ لدگئی اُن پہ کیش[۲] کی تھیلی۔

---

۱ انگریزی: حکمت عملی، تدبیر۔ ۲ انگریزی: نقدی، روپیہ پیسا۔

۱۹۴

وہ بلند ادیب ہیں، مَیں سندر میں گُم ہوں. شتر کینہ وہ ہیں، تو میں گاؤ دُم ہوں.

۱۹۵

انسان کو تحفّظ اپنا بھی ہی ضروری.
وہ سر بُرا، کہ جس کو پروا نہ ہو چپت کی!

۱۹۶

بدیشی پارچے میں آگ کیوں حضرت لگاتے ہیں!
وہ بولے: ''بات تو یہ ہی کہ صاحب کو جلاتے ہیں!''

۱۹۷

ہمیں چرخا وہ کیوں دیتے ہیں، کیوں کھدر پہناتے ہیں؟
وہ بولے: ''تم قُلی ہو، شکل بھی ویسی بناتے ہیں!''
۱؎ یہی بہتر ہی صورت اور معنی میں ہو یکسانی؛
لباس اُن کا قُلی کیوں مول لیں، ہی یہ تو نادانی.

۱۹۸

سائنس کی ترقّی تو فیضِ ارتقا ہی.
لیکن ظہورِ گاندھی، فرمایئے یہ کیا ہی!؟

۱؎ اصل نسخے میں اِس فرد کے بعد یہ فرد بھی درج ہی جو اوپر شمارہ ۱۲۵ میں درج ہو چکا ہی. لہٰذا اسے یہاں ترک کیا گیا.

اقبال بہ اکبر

یہ کتاب ترجمانِ حقیقت حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ان چند بیش بہا خطوط کا مجموعہ ہی جو انھوں نے حضرت اکبر الہ آبادی علیہ الرحمۃ کو وقتاً فوقتاً لکھے تھے. حضرات کاتب و مکتوب الیہ کی جہان گیر شہرت، ان کی باکمال شخصیتوں کی عظمت اور ان کے ملفوظات کی محبوبیت اس ذخیرے کی اہمیت کی ضمانت کے لیے کافی و وافی ہی.

نبیرۂ اکبر جناب مُسلم رضوی صاحب کے دیباچے کے بعد پروفیسر نعیم الرحمٰن نے خطوط کی تقریب کی ہی اور آخر میں قابل قدر تعلیقات دیے ہیں جن سے مضامین کی وضاحت میں نہایت گران بہا مدد ملتی ہی.

اقبالیات اور اکبریات کے قدر دانوں کے لیے یہ کتاب ہر لحاظ سے ایک نفیس تحفہ اور اقبال فہمی کے لیے ایک ناگزیر دست آویز ہی.

کلیاتِ اکبر الہ آبادی

حصۂ چہارم

حضرت اکبر الہ آبادی رحمۃ اللہ کے الہامات شعری کے تین مجموعے اس سے قبل خود حضرت مصنف کے حین حیات شائع ہو چکے ہیں۔ تیسرے حصے کے شیوع کے بعد کا کلام جو معقول ضخامت رکھتا ہی اب ایک مجلّد کی صورت میں دل دادگانِ اکبر کی بصیرت افروزی کے لیے طبع ہو کر شائع ہوگا۔

کلام اکبر کسی تعریف و توصیف کا محتاج نہیں ہی۔ اس کی جگہ علمی خزینوں کی الماریوں ہی میں نہیں بلکہ اہل علم و فضل اور ارباب عقل و ہوش کے دلوں اور سینوں میں ہونی چاہیے۔

عورت نامہ

از اکبر الہ آبادی

انسانی معاشرت میں عورت ذات کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ وہ ہر جگہ ہر موقع، ہر شکل و صورت میں مرد کی شریک و دمساز ہے؛ اسی کے دم سے معاشرت کا وجود قائم ہے۔ جنس، خلقت، اور فطرت کے لحاظ سے عورت کا حقیقی منصب کیا ہے؟ اس کی صحیح حیثیت کیا ہے؟ اس کا دائرۂ عمل کیا اور کہاں ہے؟ اسے مرد کے اعمال و افکار میں کیا اور کس قدر دخل ہونا چاہیے؟ یہ سب وہ مسائل ہیں جو انسانی تمدن کے آغاز سے آج تک زیر بحث ہیں۔ مختلف اقوام کے ہادیوں اور مصلحوں نے مختلف اوقات میں ان مسائل کو مختلف طور پر حل کیا ہے اور مختلف رستے دکھائے ہیں۔

اکبر الہ آبادی نے عورت کی ذات، شخصیت اور فطری قابلیت کے لحاظ سے، بخصوص ہندی اور مسلم حیثیت سے عورت ذات کے اعمال و افکار اور معاشرت میں اُس کے صحیح درجے اور مقام کو جس طرح سمجھا اور سمجھایا ہے اور ان مسائل میں اُن کی جو کچھ سنجیدہ اور پختہ رائے ہے، عورت نامہ اُنھیں خیالات اور رایوں کا آئینہ ہے۔ اس میں مطلق شبہہ نہیں کہ حضرت اکبر کے یہ پُرمغز افکار ہمارے غور و فکر کے طالب ہیں۔ یہ بصیرت افزا مجموعۂ کلام اب زیر ترتیب و طبع ہے۔ کتاب آرٹ کاغذ پر بلاک میں نظر فریب طور پر طبع ہوگی، اور ہدیہ و تحفہ کے لیے بہترین چیز ہوگی۔